اے بی سی (آڈٹ بیورو آف سرکولیشن) کی مصدقہ اشاعت

لہٗ دعوۃ الحق

قرآن وسنت کی تعلیمات کا علمبردار

فون نمبر	
رہائش	۲
دارالعلوم	۴
الحق	۴۰

ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک

جلد نمبر	۲۱
شمارہ نمبر	۲
ربیع الاول	۱۴۰۶ھ
دسمبر	۱۹۸۵ء

مدیر : سمیع الحق

اس شمارہ میں

بدل اشتراک

پاکستان میں سالانہ	۴۰/- روپے	بیرون ملک	بحری ڈاک	چھ پونڈ
فی پرچہ	چار روپے	بیرون ملک	ہوائی ڈاک	دس پونڈ

سمیع الحق استاد دارالعلوم حقانیہ نے منظور عام پریس پشاور سے چھپوا کر دفتر الحق دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نقشِ آغاز

جنوبی افریقہ کی یہودی عدالت کا فیصلہ

دنیا میں اس وقت جو ممالک نسلی امتیاز کی پالیسی اختیار کئے ہوئے ہیں ان میں جنوبی افریقہ کا مقام سب سے بلند ہے۔ اس حکومت کی اقوام متحدہ نے کئی بار مذمت کی اور اسکی سیاہ فام افراد کے خلاف اختیار کی جانے والی پالیسی پر شدید تنقید کی۔ لیکن یہ حکومت اپنی پالیسی پہ قائم ہے۔ کیونکہ سامراجی طاقتیں اور اسرائیل اسکی پشت پناہی میں مصروف ہیں۔ اس ملک کے وسائل، معدنیات اور دیگر قدرتی ذخائر کے استعمال کے لئے سامراجی طاقتیں اس ملک کے ساتھ اپنے روابط بڑھا رہی ہیں۔ یہ حکومت اپنی داخلی پالیسیوں کو مستحکم کرنے کے لئے ان تمام مذہبی جماعتوں کی پشت پناہی کرتی ہے جن کے پیچھے سامراجی ہاتھ ہے۔ قادیانی خاص طور پہ اس ملک میں اپنے آپ کو محفوظ سمجھتے ہیں اور حکومت کی عنایات کے سہارے ترقی کر رہے ہیں۔

جنوبی افریقہ کی سپریم کورٹ نے نومبر ۱۹۸۵ء میں قادیانیوں کے متعلق ایک مقدمے میں جو فیصلہ دیا ہے۔ اس کا پس منظر یہ ہے۔ کہ ۱۹۸۲ء میں قادیانیوں کی لاہوری جماعت نے کیپ ٹاؤن کی مسلم جوڈیشل کونسل کے خلاف ایک دعویٰ دائر کیا اس میں بعض اور مسلمان تنظیموں کو بھی فریق بنایا گیا۔ دعوے میں کہا گیا کہ کونسل لاہوری احمدیوں کو بدنام کرنے اور ان کو کافر قرار دینے میں مصروف ہے۔ اس طرح سے ان کے بطور مسلمان شہری حقوق تلف کئے جا رہے ہیں۔ مسلم کونسل نے جواب دعویٰ میں ایک تو مقدمہ کو تکنیکی اور قانونی حد تک محدود رکھنے کی کوشش کی دوسرے مذہبی نقطۂ نظر کو اجاگر کیا۔ لاہوری مرزائیوں نے سب سے زیادہ زور اس بات پہ دیا کہ مسلمان کی از روئے قرآن و حدیث کیا تعریف ہے۔ اور اس میں وہ شامل ہیں انہوں نے بڑی ہوشیاری سے مرزا غلام احمد قادیانی کے دعویٰ نبوت، مسلمانوں کی تکفیر کے مسائل، مسلمانوں کے پیچھے نماز پڑھنے، رشتہ ناطہ جنازہ وغیرہ کے مسئلوں کو نہایت نرم کر کے پیش کیا جس سے مرزا قادیانی کے اصل دعووں یا صحیح قادیانی مسلک کے برعکس ایک نرم لاہوری مسلک کی عکاسی کی گئی۔ ان عقائد کی روشنی میں سپریم کورٹ کا رویہ مسلم کونسل کے خلاف ہو گیا۔ اسی لئے کونسل نے اپنے وکیل کو واپس بلا لیا کیونکہ عدالت مرزا قادیانی کے ۱۹۰۱ء کے بعد کے حوالوں، دعووں اور ملفوظات کو سننے کی بجائے لاہوری مسلک کو اہمیت دے رہی تھی۔ اس سے فائدہ اٹھا کر لاہوریوں نے اس بات پہ پورا زور صرف کر دیا کہ مرزا غلام احمد کا نبوت کا قطعاً کوئی دعویٰ نہیں تھا۔ اس کے برعکس مرزا صاحب ختم نبوت پہ زبردست یقین رکھتے تھے۔ اس انکار اور دیگر امور کا مقدمے کی کارروائی پہ کافی اثر پڑا۔

مسلم کونسل نے عدالت کو یہ بھی نوٹس دیا تھا کہ وہ بارہ مقتدر مذہبی رہنماؤں کی شہادتیں پیش کر کے اپنے دعویٰ کا ثبوت مہیا کرے گی ان میں جسٹس افضل چیمہ، مولانا ظفر احمد انصاری، مولانا تقی عثمانی وغیرہ کے اسمائے گرامی شامل تھے۔ لیکن یہ شہادت نہ ہو سکیں۔ سپریم کورٹ نے لاہوریوں کے نرم اور غلط طور پر پیش کئے گئے عقائد کی بنیاد پر لاہوری مرزائی اسماعیل پیک کو مسلمان قرار دے دیا۔ جسٹس ڈی۔ ایم ولیم سن جو ایک یہودی ہیں نے اپنے فیصلہ میں لکھا کہ پیک کو دوسرے مسلمانوں کیطرح تمام حقوق حاصل ہیں وہ مسلم مسجد میں جاکر نماز پڑھ سکتا ہے۔ اور مسلمانوں کے قبرستان میں لاہوری احمدی دفن ہو سکتے ہیں۔ مسلم کونسل کو کہا گیا کہ وہ لاہوریوں کو بدنام نہ کریں نہ ہی انہیں غیر مسلم کافر اور مرتد قرار دیں۔ مسلم کونسل کو اس بات سے بھی منع کیا گیا کہ وہ احمدیوں کے خلاف یہ پروپیگنڈا نہ کرے کہ وہ ختم نبوت پر یقین نہیں رکھتے۔ مسلم کونسل، مسجد کے ٹرسٹیوں اور قبرستان کے ٹرسٹیوں کو حکم دیا گیا کہ وہ مقدمہ کا خرچہ ادا کریں جو ۱۹۸۲ء میں شروع ہوا۔ جسٹس ولیم سن نے فیصلہ میں لکھا ہے کہ انہیں معلوم ہوا ہے کہ جنوبی افریقہ میں ۲۰۰ احمدی ہیں جو ۱۹ ویں صدی کے ایک مذہبی رہنما اور ریفارمر (مجدد) پر یقین رکھتے ہیں ولیم سن نے مزید کہا کہ ان کو جو گواہیاں پیش کی گئی ہیں ان کی بنیاد پر واضح ہے کہ مرزا صاحب کے اعتقادات قرآن اور اسلام کے دیگر عقائد سے مکمل مطابقت رکھتے ہیں۔ لاہوری مرزائیوں کیطرف سے فجی کے لاہوری مبلغ حافظ شیر محمد خوشابی نے پیروی کی فیصلہ سنائے جانے کے بعد سی۔ بی پریسٹ (یہودی) نے ایم۔ آر خان ایسوسی ایٹ کی ہدایت پر فیصلہ کی نقل لی۔ اس طرح تین سال کے عرصے میں لاہوری مرزائی جنوبی افریقہ کی سپریم کورٹ سے فیصلہ لینے میں کامیاب ہو گئے۔ کورٹ نے مذہبی سطح پر تو لاہوریوں کے منافقانہ طور پر پیش کئے گئے دلائل کو مدنظر رکھا۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ شہری حقوق کو معاملے کے ساتھ منسلک کر کے اپنا فیصلہ مرتب کیا۔

اگرچہ مسلمان تنظیموں کی طرف سے پیش ہونے والے ایک وکیل مسٹر ایس ڈیسائی نے اس امر پر زور دیا کہ ایک سیکولر عدالت کو یہ اختیار حاصل نہیں ہے کہ وہ یہ فیصلہ دے کہ کوئی مسلمان ہے یا نہیں لیکن یہودی جج نے آخر کار جو کرنا تھا وہ کر لیا کہ لاہوریوں کے حق میں فیصلہ دیا۔ ایم۔ آر ایسوسی ایٹ کیطرف سے جس یہودی وکیل نے لاہوریوں کی وکالت کی اس کا نام ای۔ ایل کلنگ ہے۔ اور اس کی معاونت دوسرے یہودی وکیل سی۔ بی پریسٹ نے کی۔ کیپ ٹاؤن جنوبی افریقہ کے اخبارات نے مقدمے کو نمایاں جگہ دی اور ایسے ہی اسرائیلی اور اسرائیل کنٹرولڈ پریس نے فیصلہ کو نمایاں طور پر شائع کیا۔

لاہوری مرزائیوں کے عقائد سب پر عیاں ہیں۔ انہوں نے مرزا غلام احمد کے اصل دعاوی اور معتقدات کو تاویل و تشریح کے گورکھ دھندوں میں ایسا الجھا دیا ہے کہ خود ربوہ جماعت کے اساسی اور بنیادی قادیانی بھی ۱۹۱۴ء سے نالاں چلے آتے ہیں۔ اس فیصلہ کو ربوہ کے قادیانی بڑے تند و مد کے ساتھ نہایت ڈھٹائی کا مظاہرہ کرتے ہوتے لوگوں کے سامنے پیش کر رہے ہیں اور یہ نہیں بتلاتے کہ ان کے اصل عقائد کے برعکس ایک غلط تعبیر و

تشریح کر کے کورٹ سے فیصلہ حاصل کیا گیا ہے۔ اگر ربوہ کے گرو گھنٹال دیانت سے کام لیتے تو صاف طور پر
اعلان کرتے کہ لاہوری مرزائیوں نے مرزا غلام احمد کے غلط منصب اور عقائد کی بنیاد پر فیصلہ لیا ہے۔ اس کو رد
کیا جائے۔ لیکن وہ تو ہر مسئلے سے اپنے مفادات کا تحفظ چاہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ افریقہ، اسرائیل اور برطانیہ
کے بعض قادیانی اکابر نے یہودی جج ولیم سن کو مبارکباد کے خطوط لکھے ہیں اور جنوبی افریقہ کی بدنام زمانہ نسل
پرست حکومت کے انصاف کی تعریف کی ہے اور اسکی عدالت کو شہری حقوق کی علمبردار قرار دیا ہے۔ حالانکہ
آئے دن وہاں سیاہ فام افراد کے خون سے ہولی کھیلی جاتی ہے۔ اور جس قدر انسانی اور شہری حقوق پری ٹوریا
حکومت کے ہاتھوں تباہ ہوتے چلے آرہے ہیں وہ دنیا میں اور کسی جگہ کم ہی ہوں گے۔

قادیانیوں نے اس فیصلہ کے بعد اپنے لئے ایک نئی راہ نکالی ہے۔ انہوں نے مارشل لار اٹھنے کے
بعد اپنے اندرون اور بیرون ملک تبلیغی مراکز کو دوبارہ منظم کرنا شروع کر دیا ہے۔ اس فیصلے کو لوگوں میں پھیلایا
جارہا ہے تاکہ اپنے مسلمان ہونے کا جواز پیدا کیا جائے۔ در پردہ قادیانی پریس نیا لٹریچر شائع کر کے پھیلانے
میں مصروف ہے۔ مرزا طاہر احمد نے لندن سے جماعت کو جو نئی خوشخبری دی ہے اس کے مطابق "احمدیوں
پر کوئی فتح یاب نہیں ہو سکے گا۔" قادیانی مربی مرزا غلام احمد کی پیش گوئیوں اور الہامات کی من مانی تاویلات
کر کے انہیں موجودہ حالات پر چسپاں کر رہے ہیں اور اس تاک میں بیٹھے ہیں کہ اپنے راستے کے پتھر ہٹا دیں۔
لیکن ہماری حکومت کا فرض ہے کہ وہ ان کے عزائم کو بے نقاب کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرے۔
اور علمائے حق اس فتنے کا سیاسی احتساب جاری رکھیں گے۔

ہمیں افریقی عدالت کے اس فیصلہ پر بے حد خوشی ہوئی ہے اور ہم اسے حضور ختمی رسالت کی صداقت کا
ایک اور ثبوت سمجھتے ہیں مرزا غلام احمد سامراج کا خود کاشتہ پودا تھا وہ ہمیشہ سے یہودیت اور صیہونیت
کی آلۂ کار تحریک تھی اور رہے گی۔ مغربی سامراج یہودیت اور قادیانیت کے ان گنت رشتوں کی کچھ تفصیل
ہم کتاب "قادیان سے اسرائیل تک" میں لکھ چکے ہیں۔ جس عدالت کا جج یہودی ہو اور وکیل اور معاون وکیل
بھی یہودی، وہ اگر مرزائیوں کے کافر ہونے کا فیصلہ کر بیٹھتی تو اس سے "ختم نبوت" کی ابدی حقیقت خاکم بدہن
مجروح ہوتی۔ مگر اب تو ارشاد نبوی الکفر ملۃ واحدۃ اور مرزائیت کا شجرۂ ملعونہ ہونے کی ایک مزید
تازہ شہادت سامنے آگئی ہے۔ ——————

از جناب ڈاکٹر نثار احمد فاروقی۔ صدر شعبہ عربی۔ دہلی یونیورسٹی۔ دہلی

ایک اجمالی تعارف اور جائزہ

دیوبند مغربی اتر پردیش کا ایک چھوٹا سا قصبہ ہے۔ جو ہزاروں سال سے آباد بتایا جاتا ہے مگر تاریخوں میں اس کا ذکر سب سے پہلے ابوالفضل کی آئین اکبری میں ملتا ہے۔ اس کا نام کسی زمانے میں "دیوی بن" رہا ہوگا جو بدل کر دیوبند ہوگیا ہے۔ یہاں قدیم زمانے کی کوئی تاریخی عمارت نہیں ہے البتہ لودھی حکومت اور عہد اورنگ زیب کی بعض مسجدیں موجود ہیں۔ ان میں چھتے والی مسجد کو قدیم ترین کہا جاتا ہے۔ یہ بھی مشہور ہے کہ یہاں حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کے ایک خلیفہ اور علامہ ابن جوزی کے شاگرد شیخ علاؤ الدین جنگل باش مدفون ہیں۔

آج دیوبند کی اہمیت اس لئے ہے کہ یہاں ایک بہت بڑی اسلامی علوم کی درسگاہ ہے۔ جو عالم اسلام کے چند بڑے مدرسوں میں سے ایک سمجھی جاتی ہے۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں ہندستان کی شکست کے بعد برطانوی سامراج نے زندگی کے ہر شعبہ کو متاثر کیا۔ مغربی تہذیب اور مغربی طرز کی تعلیم عام ہوگئی۔ مشرقی اور ہندستانی طرز معاشرت کے آثار رفتہ رفتہ مٹنے لگے۔ عیسائی مشنری اپنی حکومت کی سرپرستی میں جگہ جگہ مناظر کرنے اور تبلیغ کرنے کے لئے پھیل گئے مذہبی آزادی اور حکومت کی غیر جانب داری کے نام پر مختلف مذہبی فرقوں کے درمیان بحث و مناظرہ اور زبانی و تحریری جنگ و جدال کا بازار گرم ہوگیا۔ میکالے رپورٹ کے بعد جو نظام تعلیم سرکاری مدرسوں میں رائج کیا گیا اس کے صرف دو مقصد تھے۔ ایک تو ہندوستانیوں کے دلوں میں ایک دوسرے کے خلاف نفرت کے بیج بونا، ان کی تاریخ کو مسخ کرنا اور تہذیب و معاشرت کو حقیر کرکے دکھانا۔ دوسرے دفتروں میں معمولی اسامیوں کے لئے بابو پیدا کرنا۔ اعلیٰ عہدے دار اکثر انگریز ہوتے تھے کسی ہندستانی کو کبھی اتفاق سے ہی کوئی بڑا عہدہ مل سکتا تھا۔ سب سے زیادہ تشویش کی بات یہ تھی کہ اپنے مذہب کا علم، اپنی صحیح تاریخ سے واقفیت اور اپنی تہذیبی اقدار سے محبت فنا ہوتی جارہی تھی۔ جس کی طرف اکبر الہ آبادی نے یوں اشارہ کیا ہے ؎

مرزا غریب چپ ہیں، ان کی کتاب ردّی
بدّھو اکڑ رہے ہیں، صاحب نے یہ کہا ہے

ان حالات میں قومی شعور اور تہذیبی اقدار سے محبت رکھنے والے حضرات نے دو نسخے تجویز کئے۔ اور دونوں کے فوائد آگے چل کر ظاہر ہوئے۔ سر سید احمد خان کا خیال تھا کہ ہم اپنے مذہب اور اپنے تمدن کے ساتھ مغربی علوم میں بھی مہارت حاصل کریں تاکہ نئے زمانے کی دوڑ میں کسی سے پیچھے نہ رہیں۔ انہوں نے اینگلو محمدن کالج علی گڑھ کی بنیاد ڈالی بعد میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی بن گیا۔

دوسری طرف علماء دین کے ایک چھوٹے سے باحمیت گروہ نے دیوبند کی چھتے والی مسجد، انار کے درخت کے نیچے بیٹھ کر ایک اسلامی مدرسے کا آغاز کیا جو آج جامعہ الازھر کے بعد دنیا کی سب سے بڑی اسلامی درس گاہ سمجھی جاتی ہے۔ دینی مدارس کے قیام کی طرف توجہ دلانے والے ایک درویش حضرت حاجی امداد اللہ فاروقی مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ تھے جنہوں نے حافظ محمد ضامن شہید۔ مولوی رشید احمد گنگوہی اور مولانا محمد قاسم نانوتوی کے ساتھ شاملی ضلع مظفر نگر میں انگریز حکومت کے خلاف باقاعدہ جہاد کیا تھا۔ اور ایک مختصر مدت کے لئے وہاں قومی حکومت بھی قائم کرلی تھی۔ دہلی پر برطانوی سامراج کا دوبارہ قبضہ ہوجانے کے بعد حاجی امداد اللہ مکہ معظمہ کو ہجرت کر گئے تھے۔ اور وہیں رہ کر ہندستان کے حالات کا گہرا مطالعہ کرتے رہے۔ اور اصلاح کے لئے اپنے مریدوں اور شاگردوں کی ایک بڑی تعداد تیار کردی۔ مولانا محمد قاسم نانوتوی، مولوی رشید احمد گنگوہی، شیخ الہند مولانا محمود حسن، حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا حسین احمد مدنی، مولانا محمد علی مونگیری، اور مولوی انوار اللہ خاں فضیلت جنگ وغیرہ سب حاجی صاحب ہی کے مرید و خلیفہ اور ان سے تربیت یافتہ بزرگ ہیں۔

غرض حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کے ایما، پر محرم ۱۲۸۳ھ - ۳۱ مئی ۱۸۶۶ء کو اس مدرسے کا آغاز ہوا۔ اس کے بانیوں میں حاجی عابد حسین۔ مولانا محمد قاسم نانوتوی اور مولوی ذوالفقار علی دیوبندی شامل ہیں۔ اس مدرسے میں پہلے استاد ملا محمود دیوبندی مقرر ہوئے اور پہلے طالب علم شیخ الہند مولانا محمود حسن تھے۔ اس کے بعد تو مدرسہ ترقی کرتا گیا۔ افغانستان۔ سرحد، پنجاب، کشمیر، بنگال۔ آسام۔ گجرات۔ ملایا اور انڈونیشیا تک سے طالب علم کھنچے چلے آنے لگے۔ گذشتہ ۱۰۸ برسوں میں دارالعلوم دیوبند نے سینکڑوں عالم پیدا کئے۔ جن میں مولوی شبیر احمد عثمانی۔ ظفر احمد تھانوی، مناظر احسن گیلانی وغیرہ وہ بزرگ ہیں جنہوں نے عالمانہ تصانیف سے اسلامیات کا دامن بھر دیا ہے، کسی نے خطابت سے کام لیا، کسی نے قلم سے، کسی نے تبلیغ دین کے لئے ہزاروں میل پیدل چل کر گاؤں گاؤں میں پیغام رسالت پہنچایا۔ اس ایک چراغ سے چھوٹے بڑے ہزاروں چراغ اور روشن ہوگئے۔ آج دینی مدرسوں اور مکتبوں کا جال پورے برصغیر میں پھیلا ہوا ہے۔ اور ایک محتاط اندازے کے مطابق پاکستان، ہندستان اور بنگلہ دیش میں ان مدرسوں کی تعداد ۲۵ ہزار سے کم نہیں ہے۔ ان کے چلانے والے اکثر وہی علماء ہیں جنہوں نے دارالعلوم دیوبند یا ندوۃ العلماء لکھنؤ یا مظاہر العلوم سہارنپور یا مدرسۃ الاصلاح پٹنہ سے فراغت حاصل کی ہے۔ دینی اقدار کو محفوظ رکھنے

اصول دین کی اشاعت کرنے اور اسلامیات کے علمی خزانے میں اضافہ کرنے میں ان علماء نے نہایت خاموشی کے ساتھ غیر معمولی رول ادا کیا ہے۔

دارالعلوم کے مہتمم اور مدرس کے منصب پر بھی بڑی جلیل القدر شخصیات رہی ہیں۔ ان میں مولانا محمد قاسم نانوتوی ان کے بیٹے حافظ محمد احمد نانوتوی اور پوتے مولانا محمد طیب قاسمی کے علاوہ مولانا سید اصغر حسین۔ مولانا محمد یعقوب نانوتوی۔ مولوی ذوالفقار علی دیوبندی۔ مولانا انور شاہ کشمیری اور مولوی حسین احمد مدنی عالمگیر شہرت رکھتے ہیں۔

مولانا حسین احمد مدنی اور شیخ الہند مولانا محمود حسن کی خدمات ہندستان کی جدوجہد ... ن کی تاریخ میں سنہری حروف سے لکھنے کے قابل ہیں۔ انہوں نے برطانوی سامراج کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ قید و بند کی ... توں کو جھیلا۔ وطن عزیز سے دور جزیرہ مالٹا میں بند کیے گئے۔ طرح طرح کی سختیاں جھیلیں مگر وطن کی آزادی سے ... پر راضی نہ ہوئے ہندستانی مسلمانوں کو سیاست میں صحیح قیادت بھی علماء دیوبند کے اس حلقے سے ملی۔

مدرسہ دیوبند کے بانیوں نے شروع ہی سے یہ طے کیا تھا کہ حکومت سے کوئی مدد قبول نہیں کریں گے۔ اور غریب مسلمانوں کے چھوٹے چھوٹے عطیوں سے یہ مدرسہ چلے گا۔ وہی روش آج تک برقرار ہے۔ اور آج تقریباً ۲۵، ۳۰ لاکھ روپیہ سالانہ کا بجٹ مسلمانوں کے عطیات سے پورا ہوتا ہے۔ دارالعلوم کی ایک مجلس اعلیٰ ہے جو مجلس شوریٰ کہلاتی ہے یہ مجلس انتظامی کا انتخاب کرتی ہے اور انتظامی امور کا نگران مہتمم کہلاتا ہے جس کی حیثیت وائس چانسلر کے برابر ہے۔

یہاں علوم کے اعتبار سے شعبے قائم ہیں۔ تفسیر، حدیث، فقہ، حفظ و تجوید اور ادب کے شعبے خاصے بڑے ہیں۔ ان کے علاوہ اختیاری مضمون کی حیثیت سے ہندی اور انگریزی بھی پڑھائی جاتی ہے۔ ایک طبیہ کالج بھی دارالعلوم سے ملحق ہے۔ یہاں طب یونانی کا پانچ سالہ کورس ہوتا ہے۔ لیکن دارالعلوم کی ممتاز خصوصیت "دورۂ حدیث" ہے۔ جہاں علم حدیث کی قدیم روایات۔ اور شان کے پورے احترام کے ساتھ درس حدیث اسی طرح دیا جاتا ہے جیسے وہ صحابہ و تابعین کے زمانے میں دیا جاتا تھا۔ بعض دوسرے مدارس کے فارغ التحصیل حضرات بھی خیر و برکت کے لئے اور اپنی سند روایت کو درست کرنے کے لئے اس دورے میں شریک ہوتے ہیں۔

اکثر ہندستانی مدارس نے اپنے نظام تعلیم میں کوئی ایک پہلو اختصاص کا رکھا ہے۔ مثلاً فرنگی محل میں فلسفہ و منطق، دہلی میں تفسیر و حدیث خصوصی طور پر پڑھائے جاتے تھے۔ دارالعلوم دیوبند نے تفسیر، حدیث اور فقہ کی بنیادی تعلیم پر خاص زور دیا ہے۔ مگر دوسرے علوم کو بھی اپنے نصاب تعلیم میں شامل رکھا ہے۔ اس سے ایک طرح کی جامعیت پیدا ہوگئی ہے۔

دارالعلوم دیوبند ایک اقامتی درس گاہ ہے۔ یہاں تقریباً ۲ ہزار طلبہ کے رہنے اور کھانے کا بندوبست ہے بعض طلبہ کو وظیفہ کے نام پر جیب خرچ بھی دیا جاتا ہے۔ نادار طلبہ کا مکمل خرچ مدرسہ برداشت کرتا ہے ابتدائی مرحلے

سے فارغ التحصیل ہونے تک ایک طالب علم کو ۷ - ۸ سال کا عرصہ درکار ہوتا ہے۔ امتحان کا طریقہ بھی قدیم اسلامی مدارس کے مطابق ہے۔ یہاں درس بھی کتاب کا ہوتا ہے اور امتحان بھی۔ جدید مغربی طرز تعلیم سے دیوبند نے اپنے نظام کو ممکن حد تک دور رکھا ہے۔ دارالعلوم کا کتب خانہ بھی بہت شاندار ہے۔ اسلامیات کی اہم کتابیں خواہ وہ عربی میں ہوں یا فارسی اور اردو میں، اس کتب خانے میں موجود ہیں۔ اس کا شعبۂ مخطوطات بھی بہت اہم ہے جس میں فارسی اور عربی کے کئی ہزار قلمی نسخے محفوظ ہیں۔ جن کی وضاحتی فہرست دو جلدوں میں مولوی ظفیر الدین کی مرتب کی ہوئی شائع ہو چکی ہے۔

مسلک کے اعتبار سے دارالعلوم دیوبند اہل السنۃ والجماعت کا مدرسہ ہے اور امام ابوحنیفہؒ کے فقہی مکتب کا پیرو ہے۔ مگر وہ اپنا ذہنی رشتہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی سے جوڑتا ہے۔ اور ایمان کی بات یہ ہے کہ ہندستان کا کوئی مدرسہ فکر ایسا نہیں ہے جہاں بالواسطہ یا بلاواسطہ طور پر حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کا روحانی اور علمی فیضان نہ پہنچا ہو۔ استقامت، جمیت اور حمایت شرع میں یہ مدرسہ حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانیؒ کے عظیم کارناموں کی توسیع ہے۔ اور طریقت میں اس کا سلسلہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی علیہ الرحمہ کے وسیلے سے ہندستان کے جلیل القدر چشتی صوفیا سے مل جاتا ہے اس طرح دارالعلوم دیوبند نے شریعت و طریقت میں بھی ایک خوشگوار اتصال پیدا کر دیا ہے۔

دارالعلوم دیوبند سے فیض حاصل کرنے والے علما اس صدی میں تصنیف و تالیف، تبلیغ، تعلیم و تدریس، سیاست اور اصلاح معاشرت کی تحریکوں میں بہت ممتاز رہے ہیں۔ بعض کا نام اوپر آچکا ہے۔ مولانا خلیل احمد سہارنپوری، مولوی عبید اللہ سندھی، مفتی کفایت اللہ دہلوی، مولوی احمد سعید دہلوی، مولانا احمد علی لاہوری، مولوی اعزاز علی دیوبندی مولانا محمد الیاس کاندھلوی، شیخ الحدیث محمد زکریا سہارنپوری، مولانا محمد شفیع، مولوی محمد یوسف بنوری، مولانا محمد طیٰن ہزاروی، مولانا نسیم احمد فریدی، مولوی محمد منظور نعمانی، مفتی عتیق الرحمن عثمانی اور مولوی سعید احمد اکبرآبادی ایسے بہت سے نام ہیں جنہوں نے اپنے اپنے میدان میں غیر معمولی کارنامے انجام دیئے ہیں۔ اور ہندستان میں اس ایک صدی میں اسلامیات کے جو کچھ علمی اور عملی کام ہوئے ہیں اس میں ان بزرگوں کا حصہ سب سے زیادہ ہے۔ جس کی قدر و قیمت زمانے کے ساتھ ساتھ بڑھتی ہی جائے گی۔

اپریل ۱۹۱۲ء میں مشہور مصری عالم سید رشید رضا مصری ایڈیٹر المنار دیوبند تھے تو انہوں نے اپنی تقریر میں کہا تھا کہ اگر میں دارالعلوم دیوبند نہ دیکھتا تو ہندستان سے محروم ہی جاتا۔ میری آنکھوں کو جیسی ٹھنڈک اس مدرسے کو دیکھ کر نصیب ہوئی وہ اور کہیں نہیں ملی نہ کہیں اتنی خوشی حاصل ہوئی جو مجھے یہاں ملی اور اس کا سبب علماء دیوبند کی غیرت اسلامی اور ان کا اخلاص ہے۔

باقی ص ۳۴ پر

مولانا اصلاح الدین حقانی۔ فاضل دارالعلوم حقانیہ
مدرس دارالعلوم الاسلامیہ بکی مروت

دورِ تابعین میں
مفسرین کے امام

حضرت مجاہد بن جبرؒ

اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن مجید کے نزول کے ساتھ ساتھ اس کی حفاظت کا بھی وعدہ فرمایا ہے اور بلا ریب یہ وعدہ پورا فرمایا۔ چنانچہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نورِ قرآن کو اپنے سینے سے صحابہ کرام رضی کے سینوں میں منتقل کردیا۔ انہوں نے اسے صحیح وسالم اپنے تلامذہ تک پہنچایا۔ اور یہی سلسلہ آج تک جاری ہے پھر صحابہ کرامؓ نے قرآن کے صرف لفظی حفظ پر اکتفا نہ کیا۔ بلکہ اس کے معانی ومطالب کو سیکھا۔ اس کے احکام و مصالح، پند ونصائح اور رموز ومعارف کو ازبر کرتے رہے۔ اور پھر منصب نبوت کی ترجمانی کرتے ہوئے فریضۂ ابلاغ بھی ادا کیا۔ چنانچہ قرآن مجید جس طرح لفظ ونظم کے لحاظ سے آج تک محفوظ رہا۔ اسی طرح معانی و مطالب کے لحاظ سے بھی اس میں الحاد وزندقہ کے دروازے بند کردیئے گئے۔

لیکن قرآن مجید کی تفسیر وقرأت میں خیر القرون اور ان کے بعد ہر طبقہ میں ایک گروہ نے خصوصی کردار ادا کیا اور اپنی تمامتر صلاحیتیں اسی راہ میں وقف کردیں۔ چنانچہ صحابہ کرامؓ میں سے بعض صحابہ قرآن مجید کی اس خدمت میں پیش پیش رہے۔ اسی طرح تابعین، تبع تابعین اور مابعد کے زمانوں میں علماء کے ایک گروہ نے اس پر خصوصی توجہ دی جن کو ہم مفسرین کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

ہمارے موضوع کا تعلق دورِ تابعین میں مفسرین کے امام حضرت مجاہد بن جبرؒ اور ان کی علمی خدمات میں سے ہے۔

نام ونسب | ابوالحجاج امام مجاہد بن جبر القرشی المخزومی مکہ کے رہنے والے تھے۔ یہیں معارفِ نبوت سے خوشہ چینی کی۔ اور حبر الامۃ ابن عباسؓ سے قرآن فہمی میں استفادہ کیا۔ بعض لوگ آپ کا نام مجاہد بن جبیرؒ بتاتے ہیں لیکن مشہور اور راجح مجاہد بن جبرؒ ہے۔ آپ قبیلہ بنو مخزوم کے آزاد کردہ غلام تھے۔ اسی وجہ سے آپ کو قرشی اور مخزومی بھی کہا جاتا ہے۔ آپ کے مالک کے بارے میں اختلاف ہے۔ بعض ائمہ قیس بن السائب رضی کا نام لیتے ہیں۔ خود آپ سے سورۃ بقرہ کی آیت وعلی الذین یطیقونہ فدیۃ طعام مسکین

(الآیۃ) کی تفسیر میں مروی ہے۔ کہ یہ آیت میرے آقا قیس بن السائب رضؓ کے بارے میں نازل ہوئی۔ اور عبد الرحمٰن بن مہدی، مصعب، علی بن المدینی، محمد بن سعد اور بعض دیگر ائمہ کی یہی رائے ہے جب کہ امام احمد بن حنبلؒ۔ امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ کے خیال میں آپ کے آقا حضرت عبد اللہ بن السائبؓ تھے۔ ان کا استدلال حضرت اعمشؒ کے واسطہ سے آپ کی اس روایت سے ہے جس میں آپ فرماتے ہیں:-

"حدثنی مولائی عبد اللہ بن السائب الخ"۔

یعنی مجھے میرے آقا عبد اللہ بن السائب نے حدیث بیان کی۔

تیسرا قول علامہ ذہبی اور امام عبد الغنی المقدسی کا ہے۔ کہ آپ حضرت عبد اللہؓ کے والد سائب بن ابی السائب کے غلام تھے[1]

یہ رائے بھی آپ ہی کی ایک روایت پر مبنی ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔" میں اپنے نابینا آقا سائبؓ کا ہاتھ پکڑ کر لے جایا کرتا تھا۔ وہ سورج کے ڈھلنے کا پوچھتے رہتے اور جب میں کہتا کہ ہاں سورج ڈھل گیا ہے تو آپ ظہر کی نماز پڑھ لیتے تھے۔

ولادت ووفات | آپ ۲۱ھ کو حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت میں مکہ میں پیدا ہوئے اور مشہور روایت کے مطابق مکہ ہی میں ۱۰۴ھ کو تراسی سال کی عمر میں بحالت سجدہ وفات پائی۔ یہ قول یحییٰ بن سعید القطانؒ کا ہے تاریخ وفات میں اور اقوال بھی ہیں چنانچہ ۱۰۰ھ، ۱۰۱ھ، ۱۰۲ھ اور ۱۰۳ھ کے اقوال کا ذکر بھی کیا گیا ہے[2]

حلیہ | آپ قد کے چھوٹے تھے جس کا ثبوت حضرت طاؤس کے ان الفاظ سے ملتا ہے جن میں آپ کو مخاطب کر کے وہ فرماتے ہیں:-

"اگر میرے طویل قد کا کچھ حصہ آپ کو دیا جائے اور آپ کی کوتاہ قدمی سے مجھے حصہ ملے تو ہم دونوں قد و قامت کے لحاظ سے دو موزوں آدمی بن جائیں گے"۔

اخیر عمر میں داڑھی اور سر کے بال سفید ہو گئے تھے۔ مگر سیاہ خضاب لگانا ناپسند فرماتے۔ نہایت سادہ قسم کا لباس زیب تن فرماتے۔ اور تکلف و تصنع سے دور رہتے تھے۔

اخلاق وعادات | علامہ ابن سعدؒ اور ابن حبانؒ آپ کے اوصاف بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ آپ بلند پایہ عالم، فقیہ، کثیر الحدیث، متورع، ثقہ، متقی، اور متقن تھے۔ ان اوصاف کے باوجود آپ نہایت متواضع اور منکسر المزاج شخص تھے۔ ہمیشہ سوچوں میں غرق رہتے۔ اعمشؒ فرماتے ہیں:-

---

[1] طبقات المفسرین للذہبی ج ۲ ص ۳۰۵، ۳۰۶ [2] تہذیب الکمال ج ۴ ص ۱۳۰۵ [3] تفسیر مجاہد ص ۴۰

"جب مجاہد سے میری ملاقات ہوتی۔ تو اس کی شخصیت مجھے ایک معتدل اور بے وقار شخصیت نظر آنے لگتی جیسے وہ کوئی شتربان یا گدھے کا مالک ہو جو اپنا گدھا گم کر بیٹھا ہو۔ اور اس کے لئے فکرمند ہو۔ مگر جب آپ بولتے۔ تو آپ کے منہ سے موتی نکلتے ہیں۔"[1]

اعمش فرماتے ہیں کہ میں نے آپ سے اس کی وجہ پوچھی تو فرمانے لگے

"ایک روز حضرت ابن عباسؓ نے میرا ہاتھ پکڑ کر کہا کہ اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز میرا ہاتھ پکڑ کر ارشاد فرمایا:۔

کن فی الدنیا کانک غریب او عابر سبیل۔	دنیا میں یوں رہو۔ جیسے تم ایک مسافر یا راہ رو ہو۔

حضرت مجاہدؒ مردم شناس دینی اور عظیم مفسر ہونے کے ساتھ ساتھ مجاہد اور اسلام کے کفن بردوش سپاہی بھی تھے۔ آپ کا یہ جذبہ اخیر عمر تک آپ کے ساتھ رہا حتٰی کہ خلیفہ سلیمان بن عبدالملک نے ۹۶ء میں جب مسلمہ بن عبدالملک کی سرکردگی میں قسطنطنیہ پر حملہ کرنے کے لئے لشکر روانہ کیا تو باوجود کبرسنی کے آپ اس میں شریک ہو گئے۔ پھر جب سلیمان وفات پا گئے اور مسلمانوں کو قسطنطنیہ سے محاصرہ اٹھانا پڑا۔ تو آپ بھی عراق واپس ہوئے۔ اور کچھ مدت تک کوفہ میں قیام فرمایا۔

آپ اپنی رائے پر مصر اور قول پر جمے رہتے تھے جب کوئی رائے قائم فرماتے تو اس وقت تک اس سے نہ ہٹتے جب تک اس کے مقابلے میں دوسری قوی دلیل کی وجہ سے اس کا ضعف ظاہر نہ ہوتا۔ لیکن حق واضح ہو جانے کے بعد اپنی رائے بدلنے میں پس و پیش بھی نہ کرتے تھے۔ چنانچہ منصورؒ فرماتے ہیں کہ ایک بار میں نے آپ سے ذیل کی دعا کے بارے میں دریافت کیا۔

اللهم ان کان اسمی من السعداء فاثبته فیهم وان کان فی الاشقیاء فامحه منهم واجعله من السعداء	اے اللہ اگر میرا نام مبارک اور نیک ہو تو اسے باقی رہنے دے اور اگر شقی اور نامبارک ہو تو اسے مٹا کر سعید اور نیک ناموں سے بنا دے۔

تو آپ نے شقاوت و سعادت میں تغیر کی اس دعا کی تحسین فرمائی لیکن صرف ایک سال بعد میں ان سے دوبارہ ملا۔ اور مذکورہ دعا کے بارے میں اس کی رائے پوچھی تو آپ نے سورہ دخان کی آیت إِنَّا أَنزَلْنَاهُ

---

[1] میزان الاعتدال ۹ ۳ ۴، ۴۴۰

فی لیلۃ مبارکۃ انا کنا منذرین فیھا یفرق کل امر حکیم. پڑھ کر فرمایا۔

یقضیٰ فی لیلۃ القدر ما یکون فی السنۃ من رزق او مصیبۃ ثم یقدم ما یشاء و یؤخر ما یشاء فاما کتاب الشقاء والسعادۃ فھو ثابت لا یغیر۔	لیلۃ القدر کی رات روزی اور مصائب سے متعلق امور کی ایک سال کے لئے تقدیر کی جاتی ہے پھر ان مقدر امور میں (دعاؤں کے اثر سے) تقدیم و تاخیر ہوتی رہتی ہے لیکن بدبختی اور نیک بختی کی تقدیر اٹل ہے جو کبھی تبدیل نہیں ہوتی [1]

علوم میں علم تفسیر کے ساتھ آپ کو زیادہ شغف تھا اور جن آیات کی تفسیر آپ کو معلوم نہیں ہوتی تھی ان کی تفسیر جاننے کے لئے بے چین رہا کرتے تھے حتیٰ کہ ایک بار فرمایا

لو اعلم من یفسر لی الآیۃ والمحصنات من النساء الی آخر الآیۃ لضربت الیہ اکباد الابل۔	اگر مجھے پتہ چلے کہ فلاں شخص آیت والمحصنات من النساء الخ کی تفسیر مجھے بتا دے گا۔ تو میں سفر کر کے اس کے ہاں ضرور حاضر ہو جاؤں گا۔

آداب تلاوت کا بڑا پاس رکھتے تھے۔ آپ فرماتے تھے کہ تلاوت کرتے وقت اگر جمائی آجائے تو تلاوت کو تعظیماً روک دو یہاں تک کہ جمائی کا اثر زائل ہو جائے۔ قرآن مجید کی تلاوت کرتے وقت سورہ الانشراح اور اس کے بعد والی سورتوں کے اختتام پر اللہ اکبر کہنے کا سلسلہ آپ ہی سے چلا۔[2]

آپ تبرک بالقرآن کے قائل تھے۔ حضرت لیث روایت کرتے ہیں کہ آپ قرآن مجید کی آیات لکھ کر بیماروں کو پلانے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے۔

اسفار آپ سفر کے دلدادہ تھے۔ بیشتر اسفار علم کے سلسلے میں کئے۔ خصوصاً قرآن میں مذکورہ آثار قدیمہ کا مشاہدہ کرنے کے لئے دور دراز کے علاقوں کی سیر کی۔ اس طرح آپ کی یہ سیاحت تفسیر قرآن میں آپ کے لئے ممد و معاون ثابت ہوئی۔ حضرت اعمشؒ نے اس سلسلے میں ایک عجیب و غریب واقعہ آپ سے روایت کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضرت مجاہد کو جب بھی کسی تعجب خیز واقعہ یا مقام کی خبر ملتی۔ وہاں بنفس نفیس حاضر ہوتے۔ چنانچہ وہ بئر برہوت دیکھنے کے لئے حضر موت اور ہاروت و ماروت کی تحقیق کے سلسلے میں بابل تشریف لے گئے۔ جب بابل پہنچے تو وہاں کے بادشاہ وقت سے درخواست کی کہ اس کی ملاقات ہاروت و ماروت سے کرائی جائے۔ بادشاہ نے ایک یہودی جادوگر کو بلوایا۔ اور کہا کہ وہ مجاہد کی راہ نمائی کرے۔ یہودی اس شرط پر راضی ہوا کہ حضرت مجاہد

---

[1] تفسیر ابن جریر طبری ج ۱۳ ص ۱۱۲ [2] غایۃ النہایہ فی طبقات القراء ج ۲ ص ۴۳

ہاروت و ماروت کے ہاں اللہ تعالیٰ کا ذکر نہیں کریں گے۔ پھر وہ اسے ایک قلعہ میں لے گیا۔ جہاں ایک بڑا پتھر ہٹا کر ایک سرنگ نما راستہ بنایا۔ حضرت مجاہد فرماتے ہیں پھر اس نے مجھے کہا کہ میرا پاؤں پکڑ کر آؤ۔ وہ مجھے لے کر ایک گڑھے نما بڑے تہہ خانے میں لے آیا۔ وہاں کیا دیکھتا ہوں کہ ہاروت و ماروت دونوں الٹے لٹکے ہوئے ہیں جسامت میں وہ دو بڑے پہاڑوں کے مانند تھے۔ جونہی میں نے ان کو دیکھا میرے منہ سے نکلا "سبحان اللہ خالقکما"، یہ سنتے ہی ان میں ہیجان و اضطراب پیدا ہوگیا۔ اور یوں محسوس ہونے لگا جیسے بڑے بڑے پہاڑ ریزہ ریزہ ہوکر گر رہے ہوں۔ یہ بھیانک منظر دیکھ کر شدت خوف سے میں اور یہودی دونوں بے ہوش ہوگئے۔ پھر یہودی مجھ سے پہلے ہوش میں آیا اور کہا۔ "تم نے تو اپنے آپ کو اور مجھے ہلاک کر دیا"[1]

اسی طرح حضرت ابن عمرؓ اور حضرت ابن عباسؓ کے متعدد اسفار میں ان کے شریک سفر رہے۔ قسطنطنیہ مصر اور عراق کا سفر کیا اور یہی وجہ ہے کہ امام عبدالغنی المصری نے آپ کو مصریین اور امام قتیبہؒ نے آپ کو اہل عراق میں سے شمار کیا ہے۔

شیوخ و اساتذہ حضور نبی کریمؐ کی زندگی ہی میں صحابہ کرامؓ جزیرہ عرب میں تعلیم امت کی خاطر پھیل گئے۔ یہ سلسلہ خلفاء راشدین کے زمانے میں اور بھی وسیع تر ہوگیا۔ اور صحابہ کرام نے ملک کے گوشے گوشے میں انفرادی طور پر درس کے حلقے قائم کئے۔ ایسے متعدد حلقے حضورؐ کی وفات کے بعد معرض وجود میں آئے جن میں تفسیر سے متعلق بعض حلقے زیادہ مشہور ہوئے۔ مثلاً مکہ میں حضرت ابن عباسؓ کے حلقے کو بہت مقبولیت حاصل ہوئی حضرت مجاہد بھی تفسیر میں حضرت ابن عباسؓ کے درس کو خوشہ چینوں اور ان کے مایۂ ناز شاگردوں میں سے ہیں۔ حافظ ابن حجرؒ نے حضرت ابن عباسؓ کے علاوہ آپ کے اساتذہ میں عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن زبیر، علی، سعد بن ابی وقاص، رافع بن خدیج، اسید بن ظہیر، ابوسعید الخدری، عائشہ، ام سلمیٰ، جویرۃ بنت الحارث ابوہریرہ، ام ہانی، جابر بن عبداللہ، عطیۃ القرظی، سراقہ بن مالک، عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ، عبداللہ بن السائب ان کے والد سائب، ابومعمر، عبداللہ بن سخبرہ، عبدالرحمٰن بن صفوان، عمرو بن الاسود، مورق العجلی، ابو عیاش الزرقی، ابوعبیدہ بن عبداللہ بن مسعود اور ام کرز الکعبیہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم وغیرہ شمار کئے ہیں[2]

علامہ ابن خلدون نے آپ کے اساتذہ میں طاؤس بن کیسان خولانی کا ذکر بھی کیا ہے۔[3]

لیکن امام ابوزرعہ، علامہ ابن معین اور ابن خراش وغیرہ فرماتے ہیں کہ

حضرت علیؓ سے آپ کا سماع ثابت نہیں[4]

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۹۳ [2] تفسیر مجاہد ص ۷۵ [3] وفیات ج ۲ ص ۵۰۹ [4] میزان الاعتدال ص ۴۴۰

علامہ ابن معینؒ کے خیال میں حضرت عائشہؓ سے بھی آپ کا سماع ثابت نہیں [۱]
لیکن امام ابن المدینیؒ، امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ کے ہاں آپ کا سماع حضرت عائشہؓ سے ثابت ہے[۲]۔

حافظہ | اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہت قوی حافظہ عطا فرمایا تھا۔ یہاں تک کہ حضرت ابن عمرؓ کو بھی آپ کے حافظہ پر رشک ہونے لگا۔ چنانچہ فرمایا

وددت ان نافعاً یحفظ حفظك — میری خواہش ہے کہ (میرے شاگرد رشید) نافع کو بھی آپ جیسی قوت حافظہ ملتی۔[۳]

علمی مرتبہ | آپ تحصیل علم میں بہت حریص واقع ہوئے تھے۔ چنانچہ جب حضرت جابرؓ کا صحیفہ آپ کے ہاتھ لگا تو بڑے شوق و مسرت سے اسے یاد کیا۔ اسی طرح جب بھی آپ کو پتہ چلتا کہ فلاں یہودی یا نصرانی کے پاس کچھ مفید معلومات ہیں تو آپ بلا جھجک ان سے دریافت فرماتے۔ خود فرماتے ہیں کہ میں نے تین مرتبہ ابن عباسؓ کے سامنے قرآن مجید اس طرح ختم کیا کہ ہر آیت پر میں اسے ٹھہر کر پوچھتا کہ یہ آیت کس موقعہ اور کس حالت میں نازل ہوئی[۴]۔

اسی شوق نے آپ کو دلیس دلیس کے سفر پر مجبور کر دیا اور قسم قسم کے تاریخی آثار کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا۔ علم تفسیر میں آپ نے بیشتر استفادہ حضرت ابن عباسؓ ہی سے مکہ میں کیا۔ وہاں سے فارغ ہو کر آپ مختلف علاقوں کی سیاحت کی طرف متوجہ ہوئے۔ علماء سے ملاقاتیں کیں۔ تجربات و مشاہدات میں اضافہ ہوا صحابہ کرام کی آراء کا موازنہ کر کے راجح رائے کا انتخاب کیا۔ اور لغت، اسالیب عرب اور معانی الفاظ میں خوب دسترس حاصل ہوئی۔ یہی وجہ ہے کہ امام سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ جب تیرے پاس مجاہد سے تفسیر پہنچے تو یہی تیرے لئے کافی ہے۔

علم تفسیر کے علاوہ آپ کو قرآن مجید کی مختلف قرأتوں کا بھی کافی علم تھا چنانچہ بڑے بڑے قراء حضرات نے آپ سے قرأت میں استفادہ کیا جن کا تذکرہ ہم تلامذہ میں کریں گے۔

ائمہ کرام نے کثرت سے آپ کی عدالت کی شہادت دی ہے ابن جریجؒ کہتے ہیں۔

لأن اکون سمعت مجاهداً احب الیّ من اهلی ومالی۔ — حضرت مجاہد سے کچھ سننا مجھے اپنے اہل و عیال اور مال و متاع سے زیادہ محبوب ہے[۴]۔

علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں:-

---

[۱] طبقات المفسرین ج۲ ص۳۰۵ [۲] تہذیب التہذیب ج۱۰ ص ۴۳، ۴۴ [۳] میزان الاعتدال ج۳ ص ۴۳۹ [۴] تذکرۃ الحفاظ ج۱ ص ۹۲

اجمعت الامۃ علی امامۃ مجاھد والاحتجاج بہ وقد اخرج لہ اصحاب الصحاح الستۃ	تمام امت حضرت مجاہد کی امامت پر متفق ہے اور ان کی روایات قابل استدلال گردانتی ہے آپ سے صحاح ستہ کے تمام محدثین نے روایات بیان کی ہیں[1]

سلمہ بن کہیل فرماتے ہیں کہ میں نے علم میں للہیت عطاءؒ، طاؤسؒ اور مجاہدؒ کے سوا کسی میں نہیں دیکھی۔ علاوہ ازیں امام ابوزرعہ، ابن معین، ابوالعباس نباتی اور ابن جریر رحمہم اللہ نے صراحۃً آپ کی توثیق کی ہے۔ یہی نہیں بلکہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کی نظر میں بھی حضرت مجاہد عظیم المرتبہ عالم تھے۔ آپ خود فرماتے ہیں۔

"میں ابن عمرؓ کے ہمراہ سفر میں ہوتا جب میں سوار ہونے کا ارادہ کرتا۔ تو ابن عمرؓ آکر میری رکاب پکڑتے اور جب میں سوار ہو جاتا تو میرے کپڑے سمیٹ کر برابر کر لیتے تھے۔ حضرت ابن عمرؓ کے مرتبہ کا لحاظ کر کے مجھے یہ بات اچھی نہ لگی۔ چنانچہ ایک بار میں نے اس کا اظہار کر دیا تو انہوں نے فرمایا "مجاہد تم تنگ دل ہو"[1]

مجاہد اور علم تفسیر حضرت ابن عباسؓ کے تلامذہ میں آپ سب سے زیادہ ثقہ اور محتاط ہیں۔ اسی وجہ سے آپ کی تفسیر پر تمام ائمہ حدیث وتفسیر اعتماد کرتے ہیں۔ آپ کی عدالت وثقاہت کا بین ثبوت یہ ہے کہ امام بخاری نے اپنی جامع کی کتاب التفسیر کا بڑا حصہ امام مجاہد ہی سے روایت کیا ہے۔ اور آپ کی رائے پر اعتماد اور تفسیر میں بالغ نظری کا اعتراف کیا ہے۔ خود آپ ہی کا بیان ہے کہ میں نے ابن عباسؓ کے روبرو تیس مرتبہ قرآن مجید پڑھا۔ ظاہر ہے کہ یہ قرأت محض اتمام ضبط، حسن ادا اور صحت تجوید جیسے امور کے لئے تھا ورنہ تفسیر کے لئے ہم پہلے آپ ہی کا قول نقل کر چکے ہیں۔ کہ تین مرتبہ آپ نے حضرت ابن عباسؓ کے سامنے قرآن مجید یوں پڑھا کہ ہر آیت کے شان نزول اور کیفیت نزول کے بارے میں پوچھا کرتے تھے۔

حضرت خصیفؒ فرماتے ہیں۔ "اپنے ہمعصروں میں آپ سب سے زیادہ علم تفسیر سے واقف تھے"[2]

یہی مضمون حضرت مصعب، قتادہ، حماد، ابن عطیہ اور ابن کثیر رحمہم اللہ سے بھی مروی ہے۔

علامہ ابن تیمیہؒ کہتے ہیں "سلف معانی قرآن کو خوب سمجھتے تھے۔ خصوصاً امام مجاہد تو تفسیر میں نشانی تھے یہی وجہ ہے کہ آپ کی تفسیر پر امام شافعیؒ۔ امام بخاریؒ، امام احمد وغیرہ سب اعتماد کرتے ہیں"

لیکن اس کثرت سے توثیق کے باوجود علامہ نباتیؒ نے ابن حبان بستی کے بارے میں لکھا ہے کہ ان کی

---

[1] تفسیر مجاہد ص ۴۳ [2] وفیات ج ۲ ص ۳۷۲

کتاب الضعفاء میں مجاہدؒ کا ذکر بھی موجود ہے۔ ان کے علاوہ کسی نے آپ کو ضعفاء میں سے شمار نہیں کیا ہے۔ علامہ نباتی آگے کہتے ہیں۔ "مگر مجاہد بلا ریب ثقہ ہی ہیں"[۱]

اور شاید اس تضعیف کا سبب وہ الزام ہے جس کا ذکر ابوبکر بن عیاش نے کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں۔

"میں نے اعمشؒ سے پوچھا کہ کیا وجہ ہے کہ مجاہد کی تفسیر میں اختلاف ہے یا شاید یہ پوچھا کہ لوگ مجاہد کی تفسیر سے پہلو تہی کیوں کرتے ہیں۔ تو اعمشؒ نے جواب دیا کہ ان لوگوں کے خیال میں مجاہد اہل کتاب سے پوچھ کر تفسیر کرتے ہیں"

نباتیؒ فرماتے ہیں کہ مجاہد کی تفسیر میں سب سے زیادہ جس چیز کو ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھا جاتا ہے وہ سورہ اسراء کی آیت "عسیٰ اَن یبعثک ربک مقاماً محمودا" کی تفسیر میں ان کا یہ قول ہے۔ "یجلسہ معہ علی العرش" یعنی اللہ تعالیٰ حضور نبی کریمؐ کو اپنے ساتھ عرش پر بٹھا دیں گے۔"

مگر بایں ہمہ مجاہد کی ذاتی صدق و عدالت میں کوئی طعن موجود نہیں۔ مشہور ائمہ میں سے کسی نے آپ کی تضعیف کی جرأت نہیں کی۔ رہا اہل کتاب سے روایت اتو ہمارے خیال میں آپ نے اس میں احتیاط کا دامن ہرگز ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔ اور اس کی بڑی دلیل یہ ہے کہ آپ حبر الامت ابن عباسؓ کے تلامذہ میں سے ہیں اور حضرت ابن عباسؓ سختی کے ساتھ اہل کتاب سے روایت کرنے والوں پر انکار فرماتے ہیں۔

<u>مجاہد اور فقہ</u> آپ کی تمام تر توجہ تفسیر پر رہی اور اسی میدان میں اپنی تمام صلاحیتیں صرف کر ڈالیں۔ وہ خود فرماتے ہیں۔

"مجھے اللہ کی مخلوق میں سب سے زیادہ محبوب وہ شخص ہے جو کتاب اللہ کا سب سے زیادہ علم رکھتا ہو"[۲]

کبھی کبھی فقہ میں بھی بحث فرماتے ہیں لیکن وہ آٹے میں نمک کے برابر ہے۔ مثلاً سورہ جمعہ کی آیت فاذا قضیت الصلوٰۃ کی ذیل میں کہا جاتا ہے۔

انہ کرہ ان یباع بعد زوال الشمس قبل القضاء الصلوٰۃ وقال مثل ھذا البیع انہ مردود[۳]	جمعہ کے روز زوال اور نماز جمعہ پڑھنے کے درمیان خرید و فروخت آپ کے نزدیک مکروہ تھی اور اس قسم کی خرید و فروخت کو آپ مردود (واجب الرد) کہا کرتے تھے۔

لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ فقہ سے ناواقف تھے۔ بلکہ دراصل آپ اپنی وسعت علمی اور تفقہ کے باوجود

---

[۱] میزان الاعتدال ج ۳ ص ۹ ۴۳۹ [۲] ایضاً [۳] تفسیر مجاہد ص ۳۲ [۴] ایضاً

افتاء سے کنارہ کش رہتے تھے چنانچہ عبدۃ ابن ابی لبابہ فرماتے ہیں کہ میری ملاقات مجاہد سے ہوئی انہوں نے میرا ہاتھ پکڑتے ہوئے فرمایا۔

اذا تراءی المتحابان فی اللّٰہ
فاخذ احدھما بید صاحبہ
وضحک الیہ تحاتت
خطایا ہ کما یتحات
ورق الشجر۔

اللہ تعالیٰ کی خاطر محبت کرنے والے دو دوست
جب ایک دوسرے کو دیکھ لیں پھر ان میں سے
ایک ہنس کر دوسرے کا ہاتھ پکڑ کر مصافحہ
کرے تو دونوں کے گناہ یوں جھڑ جاتے ہیں جیسے
درخت کے پتے جھڑتے ہیں۔

حضرت عبدہ فرماتے ہیں۔ میں نے کہا کہ عمل تو بہت چھوٹا ہے تو حضرت مجاہد نے فرمایا۔
"یوں مت کہو کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں،۔

لَو اَنْفَقْتَ مَا فِی الْاَرْضِ
جَمِیعًا مَّا اَلَّفْتَ بَیْنَ
قُلُوْبِہِمْ ۝

اگر وہ سارے کا سارا خرچ کر دیتا تو جو کچھ
زمین میں ہے تب بھی ان کے دلوں میں الفت
نہیں ڈال سکتا۔

یہ سن کر میں سمجھ گیا کہ مجاہد فقہ میں مجھ سے برتر ہیں۔

<u>تلامذہ</u> آپ کے مشہور شاگردوں میں بقول ابن حجر ایوب سختیانی، عطاء، عکرمہ، ابن عون، عمر بن دینار، فطر بن خلیفہ، ابو اسحٰق السبیعی، ابو الزبیر مکیؒ، یونس بن ابی اسحٰق، قتادہ، عبیداللہ بن ابی یزید، ابان بن صالح، بکیر بن الاخنس، حبیب بن ابی ثابت، حسن بن عمر، حسن بن مسلم، حکم بن عتیبہ، یزید الیامی، عوام بن خوشب، سلمہ بن کہیل، سلیمان الاحول، سلیمان الاعمش، منصور، سیف بن سلیمان، مسلم البطین، طلحۃ بن مصرف، عبداللہ بن کثیر، عبدالکریم بن مالک الجزری، مزاحم بن زفر، عبدۃ بن ابی امامہ، عثمان بن عاصم، اور عمر بن ذر وغیرہ[1]

علامہ ابن خلدون نے آپ کے تلامذہ میں مشہور مفسر "مقاتل" کا ذکر بھی کیا ہے[2]

علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں آپ کے تلامذہ میں ابو عمرو بن العلاء اور ابن محیصن کو بھی شمار کیا ہے[3]

جب کہ علامہ شمس الدین جزری (متوفی ۸۳۳ھ) نے آپ کے تلامذہ میں حمید بن قیس اور زمعۃ بن صالح کا نام بھی لیا ہے[4]

---

[1] تفسیر مجاہد صفحہ ۴۶ [2] وفیات ج ۵ صفحہ ۲۵۵ [3] تذکرہ ج ا صفحہ ۹۲ [4] غایۃ النہایہ فی طبقات القراء ج ۲ صفحہ ۴۱

علاوہ ازیں علامہ طبری نے سورہ البقرہ کی آیت "اِنّی اَعلمُ مَالَا تعلمُون" کی تفسیر میں آپ کے بیٹے عبدالوہاب بن مجاہد کے واسطے سے آپ کی روایت نقل کی ہے۔ لیکن محدثین کی کثیر تعداد نے عبدالوہاب کو ضعیف اور متروک قرار دیا ہے۔

تفسیر مجاہد کی خصوصیات | تفسیر میں آپ کی عادت تھی کہ آپ ماثور تفسیر لیا کرتے تھے لیکن جہاں کہیں کسی آیت کے بارے میں آپ کو اثر یا روایت نہیں ملتی تھی وہاں اصول کے مطابق رائے سے بھی تفسیر کیا کرتے تھے۔ آپ خود فرماتے ہیں۔

افضل العبادۃ الرائے الحسن — بہترین عبادت اچھی رائے ہے۔

آپ کی تفسیر کا بیشتر حصہ حضرت ابن عباسؓ کی تعلیمات پر مبنی ہے لیکن ان کے مشہور تلامذہ میں سے ہونے کے باوجود آپ دوسرے صحابہ کی رائے بھی اختیار کرتے ہیں چنانچہ مجاہد سے مروی تفسیر میں آپ کی طرف اسی حصہ کی نسبت صحیح ہے جس میں آپ کی رائے ابن عباسؓ کی رائے سے مغائر ہے۔ یا جس کی سند آپ پر جاکر ٹھہر جاتی ہے۔

کہا جاتا ہے کہ مجاہد اہل لغت کے سرخیل اور آپ کی تفسیر سب سے پہلی غیر مرتب معجم (ڈکشنری) ہے جس میں آپ نے قرآن مجید کے الفاظ کی تشریح کی ہے۔ لغت دانی، اسالیب عرب پر مکمل عبور اور فقہی احکام میں کامل دسترس کی بنا پر آپ مشکل اور نادیدہ وغیر مالوف الفاظ کی بیّن توضیح، مغلق عبارات کی جاندار تشریح سیاق و سباق کی رعایت اور ازالہ اشکالات اس حسن و خوبی سے کرتے ہیں کہ مذکورہ بالا مقولہ کی صداقت میں کوئی شبہ باقی نہیں رہتا۔ ساتھ ساتھ آپ پرانی روایات اور آیات متعلقہ سے قصوں کو بھی اشارہ کرتے ہیں۔ یوں آپ کی تفسیر قدیم منقول اور جدید معقول تفسیر کا حسین امتزاج ہے۔ جو ایک طرف آپ کی جودت طبع قوت رائے و اجتہاد، فہم آیات اور فقہ میں مہارت پر دلالت کرتی ہے۔ دوسری طرف یہ تفسیر صحابۂ کرامؓ کے قائم کردہ اصول تفسیر کے حدود سے بھی متجاوز نہیں۔ آپ کی تفسیر کا سب سے قدیم نسخہ دارالکتب المصریہ قاہرہ میں پایا گیا جس کے کل اٹھانوے صفحات تھے اور آٹھ اجزاء پر مشتمل تھا۔ یہ نسخہ ۵۴۴ھ میں جمع کر کے لکھا گیا تھا۔ پھر جامعۃ الدّول العربیہ نے ادارہ احیاء مخطوطات کے لئے اس کا عکس لیا اور یہی عکسی نسخہ ہے جس پر آج کل اعتماد کیا جا سکتا ہے۔

الغرض حضرت مجاہدؒ اپنے دور کے عظیم مفسّر تھے۔ آپ نے قرآن کی خدمت کے لئے اپنا سب کچھ وقف کر دیا تھا اور اپنی اجتہادی قوت اور لغوی مہارت کے ذریعے عصری تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے لغت سے تفسیر کی داغ بیل ڈالی۔ آپ کی ساری زندگی ایک طالب علم کے لئے قابل تقلید نمونہ اور تعلیم و تعلّم میں محنت و جد و جہد کی طرف دعوت ہے۔

تحریر :- ایس-ایم - فخرالدین
ترجمہ :- حافظ محمد نسیم قریشی

فرانس میں اسلام اور مسلمان

کہا جاتا ہے کہ اسلام فرانس کا دوسرا سب سے بڑا مذہب ہے۔ تعدادی لحاظ سے اچھے خاصے فرانسیسی پروٹسٹنٹ فرانس کے مسلمانوں کی تعداد کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں ہیں۔ اور یہی حال یہودیوں کا بھی ہے۔ ایک اندازے کے مطابق فرانسیسی النسل مسلمانوں کو چھوڑ کر فرانس میں مسلمانوں کی تعداد بیس لاکھ کے قریب ہے۔ مسلمانوں کی آبادی کل آبادی کا ۳٫۵ فیصد ہے۔ مارسلز میں وارد ہونے والا کوئی بھی شخص اس حیرت انگیز فرق کو محسوس کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اس شہر کی متعدد نواحی بستیوں میں مغرب اقصیٰ کے شہروں کا پرتو نظر آتا ہے۔

پھر بھی ۱۹۷۶ء کے الیکشن کے دوران جب صدر جمہوریہ فرانس نے تین ہفتوں تک ہر اتوار کو ایک ایک کر کے مذہبی قائدین کو ناشتے پر مدعو کیا تھا تو سب سے پہلے یہ اعزاز کیتھولک پادری کو بخشا گیا اس کے بعد پیرس کے ربی اعظم اور پھر پروٹسٹنٹ چرچ کے کارڈنل کی باری آئی۔ لیکن اس غیر معمولی اعزاز کا شرف حاصل کرنے کے لئے کسی بھی مسلم مذہبی لیڈر کو دعوت نہیں دی گئی۔ اس واقعہ سے فرانس میں مسلمانوں کی سیاسی ناطاقتی کا اندازہ بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔

مسلم معاشرہ کی ساخت فرانس کے مسلمانوں کی اکثریت مغرب اقصیٰ کے مسلمانوں پر مشتمل ہے جن میں سب سے زیادہ مسلمان الجیریائی نسل کے ہیں۔ اور اس کے بعد بالترتیب مراکش اور تیونیشیا کا نمبر آتا ہے صحارا نما افریقہ اور ایشیا کے بھی کچھ مسلمان یہاں آباد ہیں۔ جنگ عظیم دوم کے فوراً بعد سے ان مسلمانوں نے فرانس کی جانب ہجرت شروع کر دی اور اس ہجرت میں دو عوامل کارفرما تھے۔

اول :- قدیم نوآبادی روابط

دوم :- اس جنگ میں فرانسیسی افرادی قوت میں زبردست کمی۔

ان مسلمانوں کے علاوہ دوسرے قسم کے بھی گروہ ہیں جو بعد میں فرانس پہنچے۔ فرانس میں یوگوسلاوی

مزدوروں کی بھی اچھی خاصی تعداد موجود ہے۔ جن میں ایک اندازے کے مطابق کم از کم بیس فیصد مسلمان ہیں ترکی سے آنے والے مزدور بھی یہاں ملتے ہیں جو ایک مخصوص مدت کے لئے معاہدہ پر بغیر اپنے خاندانوں کے اس ملک میں آتے ہیں اور معاہدہ کے خاتمہ پر اپنے گھروں کو واپس چلے جاتے ہیں۔ ان کی آمد و رفت کے باوجود فرانس میں ترکوں کی تعداد تقریباً یکساں ہی رہتی ہے۔ اس کے علاوہ مسلمانوں کے دو نوعیت کے زمرے اور بھی ہیں۔

اول۔ اسلامی ممالک کے طلباء۔

دوم۔ فرانسیسی النسل مسلمان جو اعداد و شمار کے لحاظ سے فرانسیسی عوام میں شامل ہیں۔ جن کی اکثریت سابق فرانسیسی نوآبادیوں سے آئی ہوئی ہے۔

ترکی کے مزدوروں کی طرح طلباء بھی فرانس کی تغیر پذیر آبادی ہیں۔ لیکن ان کی تعداد کم و بیش مستقل رہتی ہے۔ زیادہ تر طلباء مغرب اقصیٰ کے ہوتے ہیں۔ جن میں مراکشی طلباء کو الجیریائی طلباء پر تعداد کے لحاظ سے فوقیت حاصل رہتی ہے۔

فرانسیسی مسلمان اسلام کے سارے اصولوں پر پوری دیانت داری سے عمل کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر غذائی معاملہ میں سور کے گوشت اور شراب سے اجتناب کرتے ہیں وہ کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرتے جب کہ سور کا گوشت اور شراب فرانسیسی کلچر کی مقبول ترین چیزیں ہیں۔

فرانسیسی مسلمان عام طور پر درمیانی یا نچلے طبقے سے تعلق رکھتے ہیں ان کی اکثریت کالج کی تعلیم یافتہ ہے۔ ان مسلمانوں کا ایک قائد فرانسیسی پارلیمنٹ کا سابق اسپیکر ہے۔ پیرس میں یہ گروہ بہت سرگرم ہے۔ ان کی تعداد آٹھ ہزار کے لگ بھگ ہے۔

کلرمانٹ فیرانڈ کی مسلم برادری میں اپنے اس جائزے میں کلرمانٹ فیرانڈ کی مسلم برادری پر ہی روشنی ڈالوں گا۔

کلرمانٹ فیرانڈ کا شہر جغرافیائی اعتبار سے فرانس کے بالکل قلب میں واقع ہے۔ یہ شہر دو ہزار سال سے بھی زیادہ قدیم ہے۔ اور سچ مچ یادگاروں کا ایک عجائب گھر ہے۔ مثال کے طور پر یہاں ایک ٹاؤن پلازا ہے۔ جہاں سے فرانسیسی پوپ جولین نے ایک ولولہ انگیز تقریر کر کے "ایمان والوں" کو "کافروں" کے خلاف طبل جنگ بجانے اور یروشلم کے مقدس شہر کو ان کے ہاتھوں سے چھین لینے کے لئے ان کے اندر جوش و غضب کا طوفان برپا کر دیا تھا۔ اور محمد اسد نے اس واقعہ کو یورپی اتحاد کے پہلے مظاہرہ کے نام سے ٹھیک ہی نوازا ہے۔ معاشی طور پر فرانس کا "ربر شہر" ہے۔ مشہور و معروف مچلین ٹائر فیکٹری اسی شہر میں واقع ہے

سابق صدر فرانس ویلری دیستیال کا وطن ہونے کی بنا پر یہ شہر کسی حد تک سیاست کا بھی حامل ہے۔

اس شہر اور نواحی بستیوں کی آبادی ۲ ½ لاکھ کے قریب ہے۔ مسلمان تقریباً چھ ہزار ہیں۔ ان کا یہ تناسب پورے ملک کی آبادی میں ان کے تناسب سے مشابہ ہے۔ مسلمانوں کی آبادی جنوبی علاقوں کے مقابلے میں شمال میں کم ہے۔ اس شہر میں سات سو ترک مسلمان ہیں۔ یہ سب بغیر اپنے خاندانوں کے اکیلے یہاں رہتے ہیں۔ ان کی اکثریت معمار ہے۔ یہ سب کے سب بہت ہی معمولی کرایہ پر سرکار کے فراہم کردہ "ورکس ہاسٹل" میں رہتے ہیں۔ ان ہاسٹلوں میں تمام بغیر خاندان والے غیر ملکی مزدور رہتے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود بھی ان سب نے مل کر اپنی ایک تنظیم قائم کر لی ہے اور ہاسٹل کے حکام کی اجازت سے ایک کمرے میں نماز بھی ادا کرتے ہیں۔ یونیورسٹی کے طلباء کی تعداد سات ہزار ہے جس میں لگ بھگ پانچ سو مسلمان ہیں ان کی اکثریت مراکشی ہے صرف تقریباً دو درجن طلباء الجیریائی ہیں۔ تھوڑے سے طلباء مسلم افریقہ کے بھی ہیں اور ایک درجن کے لگ بھگ مسلم طلباء دوسرے مسلم ممالک سے تعلق رکھتے ہیں۔

طلباء کے علاوہ مسلم کی آبادی کی اکثریت مغرب اقصیٰ کے ممالک سے یہاں وارد ہوئی ہے۔ ان میں سے تقریباً سب ہی لوگ مزدور طبقہ کے ہیں۔ ان میں سے زیادہ تر لوگ مچلین کی ٹائر فیکٹری میں ملازمت کرتے ہیں۔ کچھ دوسرے لوگ گندے نالوں کی صفائی، ٹرک ڈرائیوری، معماری وغیرہ جیسے کام کرتے ہیں: ان میں سے کچھ لوگ ہمیشہ کے لئے بس گئے ہیں۔ مثال کے طور پر یہاں تین گودام مالک پنساری مسلمان بھی ہیں جو سب مراکش کے شہری ہیں۔ اور یہاں مچلین ٹائر فیکٹری میں کام کرنے آئے تھے۔

نواحی مسلم بستیاں اس شہر کی تین نواحی بستیاں مسلم اکثریت سے آباد ہیں۔ ان میں سے ایک بستی یورپ کے سب سے قدیم کیتھیڈرل کے سامنے میں شہر کے قلب میں واقع ہے۔ یہ نواحی بستی بہت قدیم ہے۔ اس کی تقریباً سب عمارتیں نہایت شکستہ کم از کم ایک ہزار سال پرانی ہیں۔ یہاں کے مسلم معاشرہ کی اکثریت الجیریائی ہے یہ سب لوگ بوڑھے ہیں جن کی عمر کا اوسط ساٹھ سے ۶۵ سال ہے اور جن کی اکثریت تنہا رہتی ہے۔ ان میں سے کچھ لوگ سابق فوجی ہیں جن کو پنشن ملتی ہے۔ یہ سب اپنے اپنے گھروں کو سال میں ایک بار جاتے ہیں۔ ان کی اوسط آمدنی ایک ہزار فرانک ماہانہ سے کم نہیں ہوتی۔ ۱۹۷۱ء میں ان لوگوں نے ایک گندی بستی کے مالک الجیریائی سے بطور مسجد ایک چھوٹا سا تہہ خانہ کرایہ پر لیا تا نماز جمعہ اور نماز پنج وقتہ باقاعدہ طور پر ادا کرنی شروع کر دیں۔ عام طور سے کوئی نہ کوئی طالب علم ہی خطبہ دیتا ہے اور نماز بھی پڑھاتا ہے۔ کلرمانٹ فیرانڈ کی یہ سب سے پہلی مسجد ہے۔ جس میں بیک وقت (۳۵) اشخاص نماز ادا کر سکتے ہیں۔

دوسری نواحی بستی شہر کے اطراف میں صنعتی علاقہ کے قریب بسی ہوئی ہے۔ یہاں کے لوگوں کی

اکثریت شہر میں کام کرتی ہے۔ یہ لوگ اپنے خاندانوں کے ساتھ رہتے ہیں۔ زیادہ تر لوگ ادھیڑ عمر کے ہیں۔ ان کے خاندان اوسطاً چار بچوں پر مشتمل ہیں۔ مکانات تقریباً ناقابل رہائش ہیں۔ کمرے بہت چھوٹے اور شکستہ ہیں۔ یہ سب مکانات شہر والوں کے ہیں۔ ان کے کرائے ناقابل یقین حد تک سستے ہیں۔ یعنی دو کمرے والے مکانوں کا کرایہ ماہانہ ۸۰ فرانک ہے۔ جبکہ ان کی ماہانہ آمدن بارہ سو فرانک ہے۔ ان لوگوں نے اس بستی میں ایک کمرہ بطور مسجد کرایہ پر لے رکھا ہے۔ جس میں پنج وقتہ نماز ادا کرتے ہیں۔

تیسری نواحی بستی مچلین ٹائر فیکٹری کے بالکل قریب واقع ہے۔ یہ بستی ایک طرح سے "ورکرس ہاسٹل کامپلکس" ہے جس کا نظم و نسق مچلین ٹائر فیکٹری چلاتی ہے۔ یہ بستی اسپین اور پرتگال جیسے دوسرے ملک کے مزدوروں سے پوری طرح خلط ملط ہے۔ اس میں ایک یا دو بلاک پورے طور پر مسلمانوں سے آباد ہیں یہاں رہنے والے زیادہ تر لوگ ۲۰، ۳۰ سال کی عمر کے ہیں۔ یہ سب مراکش سے تنہا آتے اور مذکورہ فیکٹری میں ملازمت کرتے ہیں۔ مچلین ٹائر فیکٹری نے انہیں مستقل طور پر ایک ہال بطور مسجد دے رکھا ہے۔ بہرحال یہ بتا دینا ضروری ہے کہ مسلمان مزدوروں کے معاملے میں مچلین ٹائر فیکٹری جیسا سلوک فرانس کے دیگر صنعت کاروں کے سلوک میں نظر نہیں آتا۔ مثلاً پیرس کے قریب واقع "ڈی اسالٹ خلائی فیکٹری میں تو مزدوروں کو کام کے اوقات میں ہاتھ دھونے کی بھی اجازت نہیں ہے۔

مذکورہ بالا بستیوں کے علاوہ شہر میں ایک دو اور بھی مسلم بستیاں ہیں جہاں کی اکثریت الجیریائی ہے لیکن بدقسمتی سے مذہبی سرگرمیوں کے لئے منظم نہیں ہیں۔ ان بستیوں کے علاوہ مسلمان سارے شہر میں بکھرے ہوئے ہیں۔ کچھ مسلمان شاندار مکانوں میں رہتے ہیں آنگن بھی ہیں۔ یہ مکانات مچلین فیکٹری کے ہیں اور کمپنی کے پرانے ملازموں کے نام الاٹ کئے جاتے ہیں۔ دوسرے زیادہ تر لوگ "معتدل کرائے والے سرکاری مکانوں میں رہتے ہیں۔ تھوڑے سے انتظار کے بعد یہ مکانات کوئی بھی حاصل کر سکتا ہے۔ یہ مکانات نہایت ہی نفیس ہیں اور پرسکون نیز صاف ستھرے علاقوں میں ہیں۔ ان کامپلکسوں میں کمرے الاٹ کئے جانے میں کوئی امتیاز نہیں برتا جاتا۔ دو کمروں والے مکانوں کا ماہانہ کرایہ چھ سو فرانک تک ہوتا ہے۔ لیکن جہاں تک پرائیویٹ مکانوں کے کرائے پر ملنے کا سوال ہے ان میں یقینی طور پر تفریق برتی جاتی ہے۔ تو بھی یہاں کرائے کے مکانوں کے حصول میں ایسی سخت دقت پیش نہیں آتی جیسی جرمنی اور انگلستان میں ہے۔

عظیم مسائل | یہاں کے مسلمان کچھ دوسرے اہم مسائل سے بھی دوچار ہیں جن کو دو باہمی مربوط عنوانات کے تحت درجہ بند کیا جاتا ہے۔

(الف) تہذیبی بے آہنگی (ب) اقتصادی تفاوت۔ تفصیلی طور پر ان میں سے چند مسائل مندرجہ ذیل ہیں۔

یہاں مسلم معاشرہ مغربی میعار کا تعلیم یافتہ ہے یہ کہنے کے بعد مجھے یہ بھی بتانا چاہئے کہ ان میں تین ایسے حفاظ کو بھی میں جانتا ہوں جو تینوں مذکورہ بالا مساجد میں رمضان المبارک کے موقع پر تراویح پڑھایا کرتے ہیں پھر بھی بچوں کو تعلیم دلانا اور ان کو اپنے تہذیبی ورثہ کا محافظ بنانا سب سے اہم مسئلہ ہے۔ زیادہ تر عرب نوجوان عربی بھول چکے ہیں۔ آپ کو ایسے بہت سے بچے ملیں گے جو خاص عربی حروف خ اور غ کو ادا نہیں کر سکتے۔ مغرب اقصیٰ کے ممالک اپنے اپنے انداز میں اس سنگین مسئلہ سے نپٹنے کی کوشش میں مصروف ہیں۔

مثال کے طور پر حکومت مراکش نے مکرمانٹ کے مراکشی بچوں کو عربی کی تعلیم دینے کے لئے ایک مستقل استاد کا تقرر کر رکھا ہے۔

مسلم مُردوں کی تدفین ایک دوسرا مسئلہ ہے۔ سارے فرانس میں تدفین کے لئے صرف ایک قبرستان ہے جو پیرس کے علاقے میں واقع ہے اور جس کا نظم و نسق پیرس کی جامع مسجد کے پاس ہے۔ یہاں تدفین کے سلسلے میں جامع مسجد کے امام کی تصدیق ضروری ہے۔ موجودہ حالات میں پیرس کے آس پاس کے مسلمانوں کے لئے بھی مُردوں کی تدفین آسان نہیں ہے۔ نتیجہ کے طور پر کلرمانٹ فیرانڈ کے زیادہ تر مسلمان بہت زیادہ خرچ برداشت کر کے مُردوں کو بذریعہ ہوائی جہاز اپنے اپنے وطن بھیج دیتے ہیں۔

اسلامی غذائی اصولوں پر عمل ان لوگوں کے لئے کوئی مسئلہ نہیں ہے جو ان اصولوں کی پابندی کرنا چاہتے ہیں۔ مرغے اور مرغیاں خرید کر اسلامی طریقہ پر ذبح کئے جا سکتے ہیں۔ مقامی بازاروں سے حلوان اور بھیڑیں زندہ خریدی جا سکتی ہیں۔ اور مکان کے عقبی آنگن میں حلال کی جا سکتی ہیں۔ حالاں کہ صحت کی بنیادوں پر یہ بات قانونی طور پر جائز نہیں ہے۔ پھر بھی بہت سے لوگ ایسا کرتے ہیں اور خاص طور سے بقر عید کے دنوں میں ذبیحہ بڑے پیمانہ پر کیا جاتا ہے۔ جہاں تک بڑے گوشت کا سوال ہے یہ بہت معمولی مسئلہ ہے۔ سرکاری قوانین کے مطابق جانور کو حلال کرنے سے پہلے اس کے سر پر گولی مارنا چاہئے۔ کلرمانٹ فیرانڈ کے زیادہ تر عرب پنساری حلال گوشت فروخت کرتے ہیں۔ مسلم طلبہ کے ایک گروہ کی تحریک پر دیہات کا ایک مرغی فارم ایک عرب قصائی کی خدمات حاصل کر کے مرغوں کا حلال گوشت فراہم کرنے پر آمادہ ہو گیا ہے۔

کچھ ایسے بھی اندرونی مسائل ہیں۔ جن سے فرانس کی مسلم برادری بالکل اسی طرح دوچار ہے جیسے کہ دوسری جگہوں کی مسلم برادریاں۔ ان میں سے دو بڑے قابلِ ذکر مسائل قبائلی نیز قومی تعصب سے متعلق ہیں۔ عام طور سے خارجی ماحول کے دباؤ کی وجہ سے اندرونی اختلافات خود بخود دب جاتے ہیں۔ لیکن مادرِ وطن کی قنصلی خدمات اپنے مشن کی نوعیت کی بنا پر ان اندرونی اختلافات کو نہ صرف زندہ رکھنے بلکہ ہوا دینے کی بھرپور کوشش کرتی ہیں اس طرح "پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو" کی پالیسی صرف مغربی سیاست دانوں کی

ہی اجارہ داری نہیں ہے۔ اس سلسلے میں صرف ایک مثال پیش خدمت ہے

میں نے کلرمانٹ کے مسلمانوں کو ہر عید دو دن الگ الگ مناتے دیکھا ہے۔ ایک گروہ تو پیرس کی جامع مسجد یا مکہ ریڈیو یا دونوں کے مشترکہ اعلان کی بنیاد پر عید مناتا ہے جب کہ دوسرا گروہ شمالی افریقہ کے ریڈیو یا شمالی افریقہ کے قنصل خانوں کے متفقہ فیصلے کے متعلق عید مناتا ہے۔

فرانسیسیوں کا رویہ | فرانسیسی سماج کے بہت سے سیکشن مسلم معاشرہ اور اس کے مسائل میں بہت زیادہ دلچسپی لیتے ہیں لیکن ان کے انداز و رخ بہرحال مختلف ہوتے ہیں۔ اور خاص طور سے ان کا انحصار ان کے مقاصد پر مبنی ہوتا ہے۔ فرانسیسی حکومت کا رویہ عام طور سے ہمدردانہ اور غیر متعصبانہ ہے۔ ایک نیشنل ٹیلی ویژن اسٹیشن پر ہر ہفتہ اتوار کو صبح کم سے کم ۵، منٹ مغرب اقصیٰ کے اور کبھی کبھی ترکی کے تہذیبی، معاشرتی و تمدنی پروگرام نشر کرنے میں صرف کرتا ہے۔

ایک بار اسی اسٹیشن نے صبح کے وقت حج کے دوران حج پر بھی ایک فلم دکھائی تھی۔ اور اس کے بعد حج کے معنی اور اس کی اہمیت پر بہت زوردار مباحثہ کا انتظام کیا تھا۔ یونیورسٹی کے "طلاب کیفی ٹیریا" میں مسلمان طلبا سور کے گوشت کی باری کے دن دوسری چیزیں لے سکتے ہیں۔ لیکن یہ ایک افسوسناک حقیقت ہے کہ مسلم ممالک کے طلبا کے مقابلہ میں فرانسیسی طلبا اس اہم پیش کش کا زیادہ فائدہ اٹھاتے ہیں۔

فرانسیسی فلاحی اسکیموں میں کوئی تفریق نہیں برتی جاتی۔

مثال کے طور پر غیر ہنرمند لوگوں کے لئے بہت سے پیشہ ورانہ تربیتی کورسوں کا انتظام ہے جن میں وظیفہ کی بھی اچھی خاصی رقم ملتی ہے۔ ان میں سے بہت سے کورسوں میں آپ کو دوسری قوموں حتیٰ کہ فرانسیسیوں کے مقابلے میں کہیں زیادہ الجیریا، مراکش اور تیونیشیا کے شہری ملیں گے۔

فرانسیسی کمیونسٹ بھی فرانسیسی مسلمانوں میں دلچسپی رکھتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ زیادہ تر مسلمان مزدور طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں اور بہت سی فیکٹریوں میں تو مسلمانوں کی اکثریت ہی ہے۔ اپنے اعتقاد اور نظریات کے پیچھے یہ کمیونسٹ اپنے کو مغرب اقصیٰ کی تہذیب و تمدن کا سچا حامی ظاہر کرنے کی انتھک کوشش کرتے ہیں مسلم معاشرہ میں ان کے بے شمار حامی پیدا ہو گئے ہیں۔

مسلمانوں کے معاملات میں دلچسپی رکھنے والا تیسرا اہم گروہ کیتھولک چرچ ہے۔ مسلمانوں کے قائدین تیئں کیتھولک چرچ کا رویہ بہت ہی ہمدردانہ ہے۔ ایک بار ایک عظیم تبلیغی اجتماع تین دنوں تک ان کے ایک خالی مشن ہاؤس کے کئی ہال میں منعقد ہوا۔ جس کا نہ تو کرایہ لیا گیا۔ نہ بجلی اور پانی کا پیسہ وصول کیا گیا ذرا سا بھی غور کرنے پر آپ کو یہ معلوم ہو جائے گا کہ یہ رویہ بالکل عجیب و غریب نہیں ہے فرانسیسی سماج پر

اپنی اپنی فوقیت برقرار رکھنے کی خاطر کمیونسٹوں اور کیتھولک چرچ میں ایک مستقل کش مکش جاری ہے۔ چرچ کا رویہ مدافعانہ ہے اور آہستہ آہستہ اس کی گرفت ڈھیلی پڑتی جا رہی ہے۔ دونوں کی اس صف آرائی میں مسلمان صرف شطرنج کے مہروں کی مانند ہیں۔ چرچ کا خاص مقصد صرف یہ ہے کہ مسلمان اس کے حریف کی صفوں میں شامل نہ ہونے پائیں۔ اس کا ایک طریقہ یہ ہے کہ ہر مذہب اور نسل کے لوگوں میں مذہبی شعور بیدار کرنے کے لیے ہر ممکن قدم اٹھایا جائے۔ اور انہیں ہر قسم کی مدد فراہم کی جائے۔

کچھ دوسرے مذہبی گروہ بھی ہیں جیسے سالویشن آرمی، مورمنس، ہیرالڈ فرانس جو مسلم بستیوں میں پابندی سے جاتے رہتے ہیں۔ لیکن ان تنظیموں کی بہت ہی زیادہ منظم کوششوں کے باوجود مسلم معاشرہ پر اثر اب تک بس برائے نام ہی ہوا ہے۔

مسلم طلبا اور معاشرہ اب ہم مسلم معاشرہ کے تئیں اسلامی ممالک سے آنے والے طلبا کے رویہ کا جائزہ لیں گے جیسا کہ ہم نے پہلے تذکرہ کیا ہے زیادہ تر طلبا مراکش سے آتے ہیں۔ فطری طور پر طلبا اور مزدوروں کے مابین حیثیتوں کا ایک نمایاں فرق ہوتا ہے۔ یہ دونوں گروہ بالکل مختلف دنیا میں رہتے ہیں۔ اس سے زیادہ تر طلبا اس غیر ملک میں اپنے ہم وطن مزدوروں کے مسائل اور پریشانیوں سے بالکل بے تعلق رہتے ہیں۔

ان میں سے صرف مٹھی بھر ہی طلبا مسلم نظریات و افکار کی نشر و اشاعت میں عملی طور سے حصہ لیتے ہیں۔ پہلا گروہ مراکش کی کمیونسٹ پارٹی نیز دوسری بائیں بازو کی تنظیموں سے تعلق رکھتا ہے۔ فرانس میں تارکین وطن مراکشیوں میں سے اپنے ہمدرد پیدا کرنا اور سرگرم پارٹی کے ارکان بھرتی کرنا اس گروہ کا خاص مقصد ہے۔ اس کام میں انہیں فرانسیسی بائیں بازو والوں کا بھرپور سرگرم تعاون حاصل ہوتا ہے اس وجہ سے ان کی سرگرمیاں صرف مراکشیوں تک ہی محدود نہیں رہتیں بلکہ مغرب اقصیٰ کے تمام ممالک کے شہریوں تک ان کا دائرۂ عمل وسیع ہوتا ہے۔ یہ نوجوان حتمی طور سے اس یقین کا شکار ہوتے ہیں کہ تمام سماجی برائیوں کی جڑ مذہب ہے اس لئے فرانس کے مسلمانوں کی تقریباً ہر مذہبی سرگرمی ان کے لئے ناقابل برداشت ہوتی ہے۔

بطور مثال عرض ہے کہ ایک موقع پر یونیورسٹی کے ایک ہال میں حج پر ایک فلم دکھانے کا انتظام کیا گیا اسکیم کے مطابق ہر کام قاعدہ سے چل رہا تھا۔ اسلام کے اس اہم رکن کے بارے میں جاننے اور سیکھنے کے متمنی مقامی فرانسیسی عوام سے ہال کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ فلم شروع ہونے سے چند منٹ قبل مراکشی کمیونسٹ مسلم طلبا اپنے فرانسیسی ساتھیوں کے ہمراہ ہال میں داخل ہوئے۔ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف نعرے بلند کئے۔ ان لوگوں نے اس پروگرام کو رد کئے جانے کا مطالبہ کیا۔ کیونکہ بقول ان کے یہ پروگرام رجعت پسندانہ اور عرب تہذیب کے خلاف تھا۔ ایک طوفان بدتمیزی برپا کر دیا۔ کسی غیر ضروری پریشانی میں پھنسنے سے پہلے ہی سامعین فوراً

منتشر ہو گئے۔ اور پھر نتیجۃً پروگرام بھی رد کر دیا گیا۔

دوسرا گروہ ان مسلم طلبا کا ہے جو اسلام کے شیدائی ہیں۔ تعداد کے لحاظ سے یہ نہایت قلیل ہیں۔ یہ لوگ مسلم معاشرہ کی مدد میں اپنا سارا ممکن الحصول وقت خرچ کرتے ہیں۔ اور اسلام کی نشر و اشاعت میں اپنے تمام ذرائع استعمال کرتے ہیں۔ ان کی سرگرمیوں میں جمعہ کا خطبہ دینا اور نماز پڑھانا۔ ہفتہ کی سہ پہر میں ہفتہ وار تفریح کا اہتمام کرنا۔ چھوٹے بچوں نیز لڑکوں کو عربی اور دینیات کی تعلیم دینے کے لئے کلاس چلانا۔ مختلف سرکاری فارموں کو بھرنے میں مسلمانوں کی مدد کرنا، مریضوں کی عیادت کرنا، بنا میڈیکل انشورنس والے مریضوں کے لئے دواؤں کا انتظام کرنا شامل ہے۔

ہر طرف سے ان مسلم طلبا کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ مادی وسائل کی کمی کا شکار ہیں اور بائیں بازو والے طلبا سے ان کا مستقل جھگڑا رہتا ہے۔ ان تمام اڑچنوں کے باوجود ان لوگوں نے کلرمانٹ فیرانڈ کے مسلمانوں کو ایک اکائی کے روپ میں منظم کر دیا ہے۔ یہاں کے مسلم معاشرہ نے "کلرمانٹ مسلم انجمن" کے نام سے اپنے کو رجسٹرڈ کرا لیا ہے۔ اس سوسائٹی کا اپنا دستور ہے۔ اصول ہیں اور اپنا طریق کار ہے جس کی ایک کاپی سرکاری معرفت کی خاطر مقامی حکام کے پاس جمع کر دی گئی ہے۔ شہر و نواح کی تمام دوسری تنظیمیں اسی تنظیم کی شاخیں ہیں۔ سارے فرانس میں اپنی نوعیت کا یہ پہلا تجربہ ہے۔

ان ہی مسلم طلبا نے مقامی "آرچ بشپ آف نس" سے اس بابت گفت و شنید کی ہے۔ کہ ان کے ایک غیر مستعمل گرجا کو ان سے حاصل کر کے مرکزی مسجد کی حیثیت سے مسلمان استعمال کریں۔ اس کا کوئی کرایہ نہیں پڑے گا۔ اس میں بیک وقت ایک سو نمازی نماز ادا کر سکیں گے۔ یہ گرجا شہر کے قلب میں واقع ہے۔

مختصر یہ کہ جو کچھ بھی کلرمانٹ فیرانڈ کے مسلمانوں کے بارے میں لکھا گیا ہے کم و بیش ویسا ہی فرانس کے ہر شہر کے مسلمانوں پر بسیط کیا جا سکتا ہے۔ سب جگہ کے مسلمان اپنے آپ کو منظم کر رہے ہیں۔ اقتصادی نیز سیاسی طور پر یہ مسلمان کمزور ہیں۔ نیز قومی اور قبائلی عصبیت کا شکار ہیں۔ ان کی علاقائی نیز قومی سطح کی سرگرمیوں کو مربوط کرنے کے لئے فرانس میں ان کی کوئی قومی سطح کی تنظیم نہیں ہے۔ لیکن پھر بھی ماضی کے مقابلے میں مستقبل شاندار اور تابناک ہے ✧

محمد سعید الرحمن علوی

حضرت امام الشاہ **ولی اللہ** الدھلوی رحمۃ اللہ تعالےٰ

ایک مجدد، مصلح اور مفکّر

حکیم الامت امام ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ ۲۱ رفروری ۱۷۰۳ء کو پیدا ہوئے۔ گویا آخری باختیار مغل بادشاہ اورنگ زیب عالمگیر کی وفات سے ۴ سال قبل! آپ کے والد گرامی شاہ عبدالرحیم عالم باعمل اور صوفی باصفا تھے شاہ ولی اللہ کی علمی ترقیوں میں ان کی حسنِ تربیت کا بڑا دخل ہے۔ جس کا ذکر شاہ صاحب نے اپنی خود نوشت میں جا بجا کیا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ اورنگ زیب مغلوں میں سب سے زیادہ مذہب پرست بادشاہ تھا۔ لیکن یہ بات بھی شک و شبہ سے بالا ہے کہ جن انسانی خوبیوں کو مذہب مفید بتاتا ہے وہ اب بالکل مفقود تھیں۔ حتیٰ کہ خود اورنگ زیب کہتا تھا:-

راستی خدا ترسی، امانت داری اور اس طرح کے فضائل کمیاب بلکہ نایاب ہیں۔

اس کی وجہ جو کچھ سمجھ میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ شرع و فقہ کی گرم بازاری تو اس دور میں خوب تھی لیکن یہ باطنی برائیوں کا علاج نہیں۔ اس ذریعہ سے حدود و تعزیرات کا معاملہ تو قائم ہو سکتا ہے۔ لیکن علاج دل کے لئے صاحب دل ہونا ضروری ہے۔ اور تزکیہ و احسان کی صفات عالیہ سے متصف ہونا لازمی ہے۔

اس ناسازگار ماحول میں شاہ صاحب پیدا ہوتے ہیں۔ دس مغل بادشاہ یا شطرنج کے پٹے اور مہرے ان کی زندگی میں اوپر تلے برسرِ اقتدار آتے ہیں جن کے پاس علم و تقویٰ چھوڑ حکومت بھی ڈھنگ کی نہ تھی۔ ایران سے ہندوستان میں وارد ہونے والے شیعہ عمائدین اپنی مخصوص ذہنیت کی بناء پر ہر طرف مسلط تھے اور بادشاہ عیسائیوں کا شاہکاران کے ہاتھ میں کٹھ پتلی۔ اس منظر میں شاہ صاحب کے اصلاحی کام کی قیمت کا اندازہ لگانا آسان ہوگا۔

یہ صحیح کہ وہ پوری طرح حالات کا رخ نہ موڑ سکے لیکن اس میں شک نہیں کہ سیاسی زوال کے باوجود انہوں نے قوم کے علمی سرمائے، اخلاقی فضائل اور انسانی خوبیوں کو کسی درجہ میں محفوظ کر لیا۔ بلکہ یہ کہنا غلط نہیں کہ اب تک اس پورے خطہ میں اس حوالہ سے جو رونق ہے اس کے پس منظر میں شاہ صاحب کے انفاس کی گرمی نظر آتی ہے شاہ صاحب کا سب سے بڑا احسان ہمارے نزدیک یہ ہے کہ انہوں نے لوگوں کو قرآن فہمی کے ذوق سے سرفراز فرمایا

اور پھر ان کی اولاد اور آگے شاگردوں نے قرآن و سنت کے حقیقی سرچشموں سے ملت کو روحانی و دینی آبیاری کا سامان کیا۔ ورنہ اس دور میں کلامی مسائل کی گرم بازاری منطق و فلسفہ جیسے مضامین اور اس طرح کی باتیں علمی خانوادوں کا سرمایہ فخر بنی ہوئی تھیں۔

شاہ صاحب نے قرآن کا ترجمہ فارسی زبان میں اس طرح کیا کہ وہ حقیقی معنوں میں "زندہ کتاب" کے طور پر سامنے آگیا۔ فارسی اس دور کی دفتری و علمی زبان تھی۔ اسی وجہ سے شیعہ معاندین اور علماء سوء نیز صوفیان بے حقیقت ان کے اور ان کی اولاد کے دشمن ہوگئے حتیٰ کہ آئندہ چل کر ان کے عبقری اور ذہین پوتے ــــــــــــــــ

ــــ شاہ محمد اسمٰعیل کے خلاف خیرآباد کے منطقی گھرانے کے سربراہ مولانا فضل حق نے جس طرح کی ہنگامی آرائی کی اس کے پس پشت مناطقہ کی مخصوص ذہنیت، کلامی جھگڑے اور شاہ اسمٰعیل کا وہ ستھرا ذوق دینی تھا جس کی بنیاد پر وہ "داعی الی اللہ" کا صحیح کردار ادا کر رہے تھے۔ جب کہ مولانا فضل حق کا مشغلہ انگریز اور نوابان ریاست کی ملازمت، شطرنج کھیلنا اور منطق کے سبق پڑھانا تھا اور بس۔ پھر بھی کہ شاہ ولی اللہ اپنے عزیزوں میں حریت پھونک گئے تھے۔ اور اب وہ شعلہ جوالہ بن کر جس گھروندے کو بھسم کرنے والی تھی۔ اس سے بھی بہی خواہان فرنگ کی الرجی بھی قدرتی بات تھی۔

امام ولی اللہ دہلوی نے قوم کی بگڑی ہوئی اخلاقی ساکھ کو جس طرح سہارا دیا اور اس کے قوم کے اندر پھر جس طرح کی اخلاقی روح پھونکی اس کے لیے تحریک مجاہدین سب سے بڑا ثبوت ہے۔ حضرت سید احمد نے اپنے رفقاء سمیت اپنے شیخ شاہ عبدالعزیز کی نگرانی میں تبلیغی دوروں اور سفر حج کے ذریعہ جو روح عمل و اخلاق بیدار کی اور جس طرح سنگلاخ وادیوں کو قطع کر کے بالاکوٹ کے دامن میں پہنچے "الاول فالاول" کے مصداق اس کا اولین سہرا شاہ ولی اللہ کے سر ہے۔

تسلیم کہ بالاکوٹ ان حضرات کے خون سے رنگین ہوا۔ لیکن ان حضرات پر یہ تہمت تو ان کا کوئی بدترین دشمن بھی نہ لگا سکا۔ کہ وہ میدان چھوڑ گئے۔ ان ارباب عزیمت نے سر کھو دیا، بازی ہار دی لیکن سر کھونا وہ کارنامہ ہے جس کی مثال نہیں ــــ اور سر کھو کر پھر جو چراغ روشن کر گئے اس کا اندازہ کرنا تو مستقبل کی تاریخ سے کریں کہ آئندہ کی ہر تحریک کا چراغ اس چراغ سے جل رہا ہے۔

شاہ ولی اللہ کے سب سے بڑے ترجمان مولانا عبیداللہ سندھیؒ کہتے ہیں:۔

شاہ صاحب کی فکر میں آفاقی وسعت ہے۔ اس کا سبب مولانا کے نزدیک یہ ہے کہ شاہ صاحب ایک طرف مسلمانوں کے علوم نقلیہ کے وارث ہوئے تو دوسری طرف علوم عقلیہ سے بھی انہیں حصہ وافر ملا۔ لیکن اس طرح نہیں کہ وہ مناطقہ کی قیل و قال کا شکار ہو کر رہ گئے

بلکہ انہوں نے خذ ما صفا ودع ما کدر پر عمل کر کے دکھلایا۔ اور حضور خاتم المعصومین کے ارشاد گرامی کی پیروی کی کہ حکمت مومن کی گم شدہ متاع ہے۔ وہ اسے جہاں سے ملے، حاصل کرے۔

شاہ صاحب کا دور ایسا تھا کہ یہاں کے مسلمان سنی اور حنفی تھے۔ حکومتی دائروں میں اس سے انحراف گناہ سمجھا جاتا۔ ایران کے شیعہ اپنا رنگ جما رہے تھے۔ راجپوت سلطنت کے معاملات میں دخیل ہو کر ہندو فلسفہ اور اس کے افکار سے دلچسپی لینے لگے تھے حتی کہ یورپ کے مشنریز اس سرزمین تک پہنچ کر مشغول کار تھے۔ یہ متضاد اور منافی عناصر شاہ صاحب کے ماحول میں سرگرم عمل تھے۔ مناظروں اور مجادلوں کا زور تھا لیکن شاہ صاحب نے ان تمام مکروہ ہتھکنڈوں سے الگ رہ کر خالص علمی بنیادوں پر ملت کی تنظیم تو کا سر و سامان کیا۔ انہوں نے ایسا طریق اختیار کیا کہ مسلمان امت اپنے اعتقادات پر پوری طرح جمی رہے۔ اس میں کسی قسم کا احساس کمتری کا مرض پیدا نہ ہو۔ وہ اپنی روایات علمی و تاریخی کی صحیح امین و وارث بنے۔ اور "علی وجہ البصیرت" اس کو سینہ سے لگائے۔ لیکن کسی سے بیر نہ رکھے۔ بلکہ مذہبی وسعت قلبی سے کام لے کر اپنے پڑوسیوں اور ہم وطنوں سے مل جل کر رہے۔ کہ اس ذریعہ سے ان لوگوں کو اسلام کی برکات کا قائل کرنا آسان ہے۔

شاہ صاحب نے اس ضمن میں جو کوششیں کیں ان میں سر فہرست قرآن کا اس وقت کی علمی زبان میں ترجمہ ہے جیسا کہ عرض کیا گیا۔ انہوں نے مختصر حواشی بھی لکھے۔ اور جگہ بہ جگہ ان بنیادوں کو واضح کیا جو اسلامی سوسائٹی کی حقیقی بنیادیں ہیں۔ مثلاً سورہ الفتح کی آخری آیت میں محمد علیہ السلام کی رسالت کے ساتھ ان کے رفقاء کا ذکر کرتے ہوئے قرآن عزیز نے ان حضرات کو باہم رحماء لیکن ضدی ہٹ دھرم اور متعصب و انسانیت بیزار دشمنوں کے لئے ننگی تلوار اور اشداء کہا ہے۔ پھر ان کی ذاتی خوبی عبادات میں ان کا انہماک بتلایا۔ اور واضح کیا کہ یہ سب کچھ محض رضائے الٰہی کے لئے وہ کرتے ہیں۔ کوئی ذاتی غرض نہیں اور آخر میں واضح کیا کہ ابتداء میں یہ جماعت نہ ہونے کے برابر تھی۔ بس ایک کونپل کی طرح۔ لیکن ان خصائل و فضائل کی بنیاد پر وہ بڑھتے بڑھتے لہلہانے کھیت میں تبدیل ہو گئی حتی کہ دشمنان صحابہ تلملا اٹھے۔ ان کے سینوں پر چھریاں چلنے لگیں۔ لیکن اس کھیتی کا دہقان خوش و خرم نظر آنے لگا۔

شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ موجودہ مسلمان قوم کے پنپنے اور ابھرنے کا اب بھی یہی طریق ہے۔ کہ وہ رسالت مآب کو اپنے لئے مرکز تسلیم کر کے اس میں بھائی چارگی کا انداز اپنائیں۔ انسانیت سے بیر نہ رکھیں۔ ہاں جو ہٹ دھرم ان کے وجود کے درپے ہوں انہیں جسد قومی کا فاسد مادہ سمجھ کر تہس نہس کر دیں۔ اور اپنے ان اعمال حیات پر دنیا سے کسی قسم کے صلہ کی امید رکھنے کے بجائے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تعلیم کی روشنی میں اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیں اور دنیا میں مساوات و برابری کے عادلانہ اصولوں کے مطابق زندگی گذاریں۔

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ چاہتے ہیں۔ کہ انسان میں قوتِ ملکوتی اس طرح غالب آجائے اور ظاہر ہے کہ اس کا ذریعہ اعتقادات واخلاق فاضلہ ہیں۔ کہ اس کے ذریعہ وہ بہیمی قوت پر غالب آجائے۔ اس ذریعہ سے انسان کو "نفس مطمئنہ" نصیب ہوتا ہے۔ اور یہی بات وراثت نبوت ہے۔ جس کا حدیث میں اس طرح ذکر ہے۔ کہ ہم انبیاء درہم و دنانیر چھوڑ کر نہیں جاتے۔ ہمارا سرمایہ تو بس علم ہے۔ جس کو اس سے کوئی حصہ مل گیا وہ بامراد ہوگیا۔ دوسری طرف انہوں نے تدریس حدیث کو یہاں وسیع پیمانے پر رائج کیا۔ اور اپنی مجددانہ بصیرت سے بخاری شریف کے بجائے مؤطا امام مالک کو اپنی توجہات کا مرکز بنایا۔ ان کا کہنا تھا کہ اس کتاب میں اس سوسائٹی کے اعمال کا تذکرہ ہے۔ جس میں کم سے کم اختلاف تھے۔ انہوں نے اس کتاب کی دو شرحیں لکھیں۔ ایک اہل علم کے لئے عربی میں دوسری عام پڑھے لکھے حضرات کے لئے فارسی میں۔

تیسری طرف انہوں نے ایک مخصوص پیرایہ میں امت کی تاریخ مرتب کرنے کا بیڑہ اٹھایا جس کا سب سے بڑا ثبوت چار ضخیم جلدوں میں ان کی کتاب "ازالۃ الخفاء" ہے۔ ایک عام سطح بین قسم کا انسان اس کتاب کو صحابہ کے فضائل ومناقب کی کتاب سمجھتا ہے۔ لیکن فی الحقیقت یہ کتاب اسلام کے اصول عدل کی ترجمان ہونے کے ساتھ اس کے قرن اول کے مثالی حکمرانوں کے انداز حکمرانی کی وضاحت کرنے والی ہے۔ ہماری تاریخ کا یہ حلیہ اسی دور سے بگڑتا ہے کیونکہ یہود اور مجوس کی پیہم سازشوں سے اسلام کے سیدھے سادے اصولوں کے علی الرغم اس دور میں نیا فلسفہ "شیعیت" کے نام سے مدون ہوا۔ اس فلسفہ میں قرآن عزیز کی تحریف اولین مخاطبین قرآن کی تنقیص۔ بوقت ضرورت جھوٹ کی اجازت۔ اور "امامت" کے ایسے فکر کی نشان دہی ہے جس سے ختم نبوت کا مفہوم غارت ہوکر رہ جاتا ہے۔
شاہ صاحب نے اس کتاب کے ذریعہ ان مفاسد کا قلع قمع کرنا چاہا۔ اور مسلمانوں کو راہِ اعتدال دکھانے کے ساتھ ساتھ انہیں تاریخ کے اصول فراہم کئے۔

چوتھی طرف انہوں نے اپنے اور آنے والے دور کی "عقلیت پسندی" کا توڑ کرنے کے لئے حجۃ اللہ البالغہ نام کی کتاب لکھی۔ جس میں اسلامی اصول وارکان کی تعبیر وتشریح ایسے انداز سے کی۔ کہ ایک عقلِ سلیم کا مالک انسان پوری طرح پر حقیقت حال سے آگاہ ہو سکتا ہے بقول مولانا سندھی

"شاہ ولی اللہ کی حکمت کا خاص جوہر یہ ہے کہ وہ وحی سے حاصل شدہ دین اور عقل کی پیدا کردہ حکمت میں تضاد نہیں مانتے۔ ان کے نزدیک انسان کے دماغ میں کوئی چیز باہر سے نہیں آتی۔ استدلال اور استنتاج کی دور دراز راہ سے انسان جن حقائق تک پہنچتا ہے وہ فلسفہ وحکمت ہے۔ نبی کے ذہن پر حقائق کا نزول براہ راست ہوتا ہے لیکن عام انسانوں کا معاملہ ایسا نہیں۔ اس لئے وحی عقل وحکمت کی وہ آخری منزل ہے جس کے بعد کوئی منزل نہیں"

اسی مفہوم کو آپ کے پوتے شاہ محمد اسمٰعیل شہید اس طرح بیان کرتے ہیں کہ

انبیا ربشر ند ولیکن نوع دیگر"

آگے فرماتے ہیں کہ "عام انسانوں کے کمالات کی جہاں تکمیل ہوتی ہے وہاں سے انبیا علیہ السلام کے کمالات کی ابتدا ہوتی ہے"

اسی کتاب میں شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ انفرادی اور معاشی مسائل پر کھل کر گفتگو کرتے ہیں۔ لیکن اس موضوع پر کچھ کہنے سے قبل ہم اس طرف بھی توجہ دلانا ضروری سمجھتے ہیں کہ شاہ صاحب نے امت کے تاریخی تسلسل کو ہمیشہ پیش نظر رکھا۔ کیونکہ اس میں ہی امت کی اجتماعیت کا راز ہے خاص طور پر برعظیم پاک وہند کے حوالہ سے تو مولانا عبیداللہ سندھی کے بقول انہوں نے حضرت مجدد الف ثانیؒ کے چھوڑے ہوئے کام کو پکڑا اور آگے بڑھایا۔ وحدت الوجود اور وحدت الشہود کے مسئلہ میں حضرت مجدد اور شیخ ابن عربی کے درمیان بظاہر جو اختلاف کی خلیج نظر آتی ہے۔ اپنے حکیمانہ انداز سے اس کو پاٹنا چاہا۔ اور اس میں خاصی تعداد تک کامیابی ہوئی جس کا اندازہ، اس فن میں ان کے علوم کے وارث، ان کے صاحبزادے شاہ رفیع الدین کی کتابوں سے ہو سکتا ہے۔

مولانا سندھی مزید کہتے ہیں کہ

ہندوستان کا ایک دور تیمور لنگ سے لے کر اورنگ زیب تک ختم ہوتا ہے۔ جس کے خاتم حضرت مجدد الف ثانی ہیں۔ تو دوسرے دور کے فاتح شاہ ولی اللہ ــــ اور ظاہر ہے کہ خاتم اور فاتح میں مماثلت اور اشتراک ضروری ہے اسی طرح یہ بات بڑی دلچسپی کی ہے کہ بعض لوگ دور حاضر کی اصطلاحات سے مرعوب ہو کر شاہ صاحب کو "ایک انقلابی" ثابت کرنے پر تلے ہوئے ہیں حالاں کہ وہ مجدد اور مصلح تھے نہ کہ انقلابی۔ اس دقیق فرق کو مولانا سندھی اس طرح واضح کرتے ہیں:۔

> شاہ صاحب ان معنوں میں انقلابی نہ تھے کہ وہ پہلی سوسائٹی کو ختم کر کے اس کی جگہ بالکل ایک نئی سوسائٹی میں پیدا ہوئے۔ گو اس میں زوال شروع ہو چکا تھا اور وہ بہت سی خرابیاں قبول کر چکی تھی لیکن جس اساس پر وہ قائم تھی وہ ابھی بالکل کھوکھلی اور فرسودہ نہ ہوئی تھی۔ شاہ صاحب نے اس اساس کی اصلاح کی دعوت دی (اور یہی پیغمبرانہ طریق ہے) اور اس میں جو غلط باتیں داخل ہو گئی تھیں ان کی نفی کی۔ چنانچہ جب وہ اپنی کتابوں میں اس سوسائٹی اور اس کے مختلف طبقات کو مخاطب کرتے ہیں تو اپنی بات سمجھانے کے لئے اس سوسائٹی کے مسلمات اور علوم متعارفہ کو دلیل اور مثال کے طور پر پیش کرتے ہیں وجہ یہ ہے کہ شاہ صاحب کے مخاطبین ان باتوں پر یقین رکھتے تھے اور ان باتوں کو

مثال کے طور پر پیش کرنے سے اصل مقصد کی طرف آسان سے بلایا جا سکتا تھا۔

اس بات کو اصول فقہ کی زبان میں "عرف" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعلیم یہی ہے۔ کہ کسی سوسائٹی اور قوم میں اگر کوئی اچھی چیز موجود ہے اور اسلام کے مسلمات سے اس کا ٹکراؤ نہیں ہوتا تو اسے چھیڑا نہ جائے۔ ورنہ معاشرہ میں انارکی پھیل جائے گی۔ قرآن عزیز میں عرف، معروف اور اس قسم کے الفاظ بکثرت آتے ہیں اور ان کا بھی یہی مفہوم ہے۔ احقر نے اس ضمن میں ایک تفصیلی مقالہ لکھا ہے جو "منہاج" کے مصادر شریعت نمبر میں عنقریب چھپ کر آنے والا ہے۔ اسلام کے اس اصول عرف کو سمجھ اور پہچان لیا جائے تو کسی سوسائٹی کی اصلاح بہت آسان ہو جاتی ہے۔ ورنہ بگاڑ کا خطرہ بڑھ جاتا ہے۔

شاہ صاحب نے معاشی مسائل کا ذکر بڑے اہتمام سے کیا جیسا کہ ابتدا میں اشارہ ہوا۔ لوگ حیران ہیں کہ ایک حکیم، مصلح، مجدد اور داعی الی اللہ ان دنیوی بکھیڑوں سے کیا لینا چاہتا ہے۔ اصل میں لوگوں نے سمجھا ہی نہیں کہ معاش کا مسئلہ کتنا اہم ہے؟ لوگوں کے خیال میں چند وقت کی نماز، مہینہ کے روزے اور ایسے ہی چند اعمال کا نام دین ہے اخلاق فاضلہ، رزق حلال، لوگوں کے ساتھ حسن سلوک، اور اس قسم کی باتوں کی طرف کسی کی توجہ نہیں۔

آج خود ہمارے ملک میں انسان کے بنیادی حقوق بری طرح پامال ہو رہے ہیں۔ انسان کو نہ تو روٹی میسر ہے نہ کپڑا۔ اس کی عزت محفوظ ہے نہ جان۔ اسے علاج معالجہ، تعلیم کی سہولتیں میسر نہیں۔ ایک خاص طبقہ تو وافر طریق سے مال اسباب دنیا لوٹ رہا ہے۔ لیکن عام انسانی آبادی ان نعمتوں سے محروم ہے۔

نام نہاد اہل علم کا ایک طبقہ اس قسم کے عیش پسند حضرات کی سرپرستی کرتا ہے اور اس کے صلہ میں اس طبقہ کی پانچوں انگلیاں گھی میں رہتی ہیں۔ لیکن دکھی انسانیت کی کوئی فکر نہیں کرتا۔ ہماری اس خطرناک غفلت کے نتیجہ میں آج پورا ملک عیسائی مشنری کی زد میں ہے۔ ان کے ہسپتال، تعلیمی ادارے اور اس قسم کے دوسرے ادارے جو کچھ کر رہے ہیں اس کے نتیجہ میں حضور اکرم علیہ السلام کا وہ ارشاد سامنے آ رہا ہے۔ کہ کاد الفقر ان یکون کفرا

ہمارے یہاں کمیونزم اور سوشلزم کے خلاف لفظی بمباری تو بہت ہے۔ لیکن یہ "فتنے عمیاً" جن اسباب کے تحت پروان چڑھ رہا ہے۔ ان کی کسی کو فکر نہیں۔ شاہ صاحب نے اس فکر و فلسفہ کے بانی و موجد کارل مارکس کی پیدائش سے صدی بھر قبل خفتہ بخت ہندی مسلمانوں کو توجہ دلائی۔ لیکن آج پوری دنیا میں دولت اور وسائل رزق میں چند خاندانوں کی اجارہ داری ہے اور بس۔

شاہ صاحب سیدنا ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی معاشی پالیسی کے زبردست مداح ہیں اور اس کا بار بار ذکر کرتے ہیں جس میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہر شخص کے لیے برابر کا روزینہ مقرر کیا۔ اور جب بعض لوگوں نے کہا کہ کچھ افراد ایسے ہیں جو اسلام کے اعتبار سے مقدم ہیں جنہیں ہجرت و جہاد کی سعادتیں حاصل ہیں اس لئے

ان کی خدمات دینی کے سبب ان کے ساتھ ترجیحی سلوک کیا جائے۔ اس پر سیدنا صدیق اکبر نے فرمایا۔ یہ معاملہ اللہ تعالیٰ کا ہے۔ وہاں سے ثواب و اجر ملے گا۔ دنیا کا معاملہ ہر شخص کا یکساں ہے۔

لیکن ہم نے عجیب حال کیا کہ بعض لوگوں کے جوتوں پر سفیدی اور چمک نظر آتی ہے۔ لیکن بعض لوگوں کے چہرے کملائے رہتے ہیں۔ شاہ صاحب اس فکر پر سخت تنقید کرتے ہیں وہ قیصر و کسریٰ کی سوسائیٹیوں کی بربادی کا ذکر کرتے ہوئے حجۃ اللہ میں فرماتے ہیں:۔

> واضح رہے کہ جب ایرانیوں اور رومیوں کو اپنی بین الاقوامی حکومتیں چلاتے صدیاں گذر گئیں اور دنیوی تعیش کو انہوں نے اپنی زندگی کا اصل اور بنیاد بنا لیا۔ اور یہ بھلا بیٹھے کہ مر کر پھر زندہ ہونا ہے۔ اور کسی اعلیٰ طاقت کے سامنے اپنے اعمال کی جوابدہی کرنی ہے۔ اور ان پر ان کے شیطانی نفس غالب آ گئے۔ انہوں نے یہ وطیرہ اختیار کر لیا کہ عیش پرستی میں مزید انہماک سے سوچتے کہ اس سلسلے کو کس طرح مزید بڑھایا جائے اور پھر ان اعمال پر اتراتے ــــ حتیٰ کہ دنیا کے نام نہاد حکما۔ "عقلا بکارِ خویش دیوانہ ہشیار" کے مصداق ان کی کمزوری محسوس کر کے ان کے درباروں میں جمع ہونے لگے۔ یہ لوگ ان کی عیاشی کے نئے نئے طریقے ایجاد کرتے اور ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتے۔ یہاں تک کہ ان سرمایہ داروں کا یہ حال ہو گیا کہ ان میں سے جس کے پاس ایک لاکھ درہم سے کم کی ٹوپی ہوتی اسے بخیلی کا طعنہ دیا جاتا۔ ایسے پر انہوں نے سر بفلک ایوان، بیلانسے اور محلات و عمارات، پائیں باغ، حمام بنانے شروع کر دئے۔ بیش قیمت سواری کے جانور اور راس انداز کی چیزوں کا اہتمام مقصد زندگی ٹھہرا لیا۔ لباس فاخرہ اور انواع و اقسام کے کھانے کے بغیر ان کا گذر نہ ہوتا۔

شاہ صاحب نے پھر اپنی سوسائٹی کی مثال پیش کی۔ کہ آج دہلی کے ملوک و امرار اور ان کے درباری علمار صاحب زادوں، شہزادوں۔ بے ننگ و نام صوفیوں، شاعروں اور زر پرستوں کو دیکھ لو۔ تو بعینہٖ اسی سوسائٹی کا نقشہ نظر آئے گا۔

یہی حال اب یہاں ہے ــــ جب یہ حال ہو جاتا ہے تو پھر خزانہ اور جیبیں خالی نظر آنے لگتی ہیں تاکہ ان نام نہاد ضروریات کے لئے حکومت آئے دن ٹیکسز کا دھندا بڑھاتی ہے۔ حتیٰ کہ عام آدمی ظلم کی چکی میں پیس کر رہ جاتا ہے۔ عوام غریب کولہو کے بیل کی مانند سارا دن اور ساری رات کام دھندا کرتے ہیں۔ لیکن اپنا اور اپنے بچوں کا پیٹ نہیں بھر سکتے۔ کہ حکومت کے ظالمانہ ٹیکسز کا ان پر شدید بوجھ ہوتا ہے۔ اس کے نتیجہ میں لوگوں

کے عقائد میں تزلزل آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ پر اعتماد کی کیفیت بے یقینی کا شکار ہوتی ہے۔ اسلام کے ابدی اصول بے وقعت ہونے لگتے ہیں۔ اور انسانی معاشرت بے راہ روی کا شکار ہونے لگتی ہے۔ جو لوگ دنیا کی اس زرق برق کیفیت کو حاصل کرنا چاہتے ہیں لیکن صحیح طریق سے حاصل نہیں کر سکتے۔ وہ چوری، ڈاکہ زنی اور اس قسم کے جرائم پر اتر آتے ہیں۔ اور کچھ لوگ علم و معرفت، شاعری اور ایسے ہر حوالوں سے بے کار محض بن کر درباروں اور حکومتوں سے دولت اینٹھنے میں مصروف ہو جاتے ہیں۔

الغرض عقائد، اخلاق، اعمال سب بگڑتے ہیں اور انسان حیوانیت کی سطح پر اتر آتا ہے۔ کچھ کھاتے پیتے جانور کچھ خالی پیٹ جانور جو آخر کو محکمہ انسداد بے رحمی والوں کی نذر ہو کر رہ جاتے ہیں ——— بقول شاہ صاحب کسی سوسائٹی کا یہ حال ہو جائے تو اس پر بربادی مسلط ہو جاتی ہے۔ وہ زور دے کر کہتے ہیں کہ ایران و روم کی سوسائٹیاں اس وجہ سے برباد ہوئیں کہ ان میں بے انصافی، ظلم اور زیادتی کا دور دورہ ہو گیا۔

اور ان کے صاحبزادے شاہ عبدالعزیز سے پوچھا گیا کہ آپ کہتے ہیں کہ یہ حکومت مسلمانوں کے ہاتھ نہ رہے گی تو فرمایا، ہاں کہتا ہوں۔ لوگوں نے پوچھا کیوں؟ تو فرمایا اصل بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو کسی نوع کا ظلم پسند نہیں۔ یہ سوسائٹی ظلم کا شکار ہے اس لیے بچ نہیں سکتی۔

الغرض شاہ صاحب کے محاسن گنوانے کا تو کوئی فائدہ نہیں کہ بے بیکار اور جذبہ عمل سے عاری قوموں کا شیوہ ہوتا ہے۔ کہ وہ اپنے بڑوں کے گیت گا کر جینے کی فکر کرتی ہے ——— اور ضرورت اس کی ہے کہ اس آئینہ ایام میں سیم اپنی شکلیں دیکھیں اور اصلاح کی فکر کریں ÷

بقیہ : دارالعلوم دیوبند۔

ابھی تین سال پہلے دارالعلوم دیوبند نے اپنا جشن صد سالہ منایا تھا۔ جس میں تمام عالم اسلام کی برگزیدہ شخصیات کے علاوہ وزراء، سفراء، ارباب حکومت اور علمی اداروں کے سربراہ تو شریک ہوئے ہی تھے۔ عوام الناس اور دیہات و قصبات کے لوگوں کا اتنا بڑا مجمع تھا کہ چشم فلک نے کسی مدرسے کے اعزاز میں محبت اور اخلاص کا یہ منظر شاید ہی کبھی دیکھا ہو۔ ایک اندازے کے مطابق اس جشن میں ۱۵ لاکھ سے زیادہ انسانوں نے شرکت کی تھی اس سے بآسانی سمجھا جا سکتا ہے کہ مدرسہ دیوبند کو مسلمانان عالم کے دلوں میں کیا مقام حاصل ہے۔ ہندستان کو اس پر فخر ہے کہ عالم اسلام کی اتنی بڑی درس گاہ اس ملک کے ایک چھوٹے سے قصبے کا نام ساری دنیا میں روشن کئے ہوئے ہے۔ ∎

مولانا جلال الدین صاحب حقانی
مہتمم دار العلوم خضریہ، بھیرہ

عالمگیر نبوّت کا مرکز ملک عرب کیوں منتخب ہوا

آپ ڈیڑھ ہزار برس پہلے کی دنیا کا نقشہ اور اس وقت کی مختلف قوموں کی تاریخ سامنے رکھیں تو بڑی آسانی سے یہ چیز سمجھ میں آسکتی ہے کہ ساری دنیا کی پیغمبری کے لئے اس وقت عرب کے ایک انسان کا انتخاب کیوں ہوا اور اس کی دعوت اور پیغام کا مرکز اور مقام عرب کو کیوں بنایا گیا۔ اس سوال کا جواب چند حقائق اور شواہد پر مبنی ہے۔

۱۔ عرب کا ملک ایشیا اور افریقہ کے بالکل وسط میں واقع ہے۔ یورپ بھی یہاں سے قریب ہے۔ بالخصوص اس کا وہ جنوبی حصہ جس میں اس زمانہ کی متمدن قومیں آباد تھیں عرب سے تقریباً اتنے ہی فاصلہ پر ہے جیسے پاکستان اور ہندوستان۔ اس مخصوص جغرافیائی پوزیشن کی وجہ سے عالمگیر پیغمبری کے لئے اس وقت عرب ہی موزوں ترین مقام اور مرکز ہو سکتا تھا۔

۲۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اس زمانہ کی تمام قوموں میں عرب قوم ہی چند ایسے عادات خصائل اور امتیازی اوصاف اپنے اندر رکھتی تھی جو اتنے بڑے کام کے انجام دینے کے لئے ضروری تھے۔

مثلاً۔ اس قوم کا دل و دماغ صاف اور اس کی زندگی سادہ تھی۔ کسی فلسفہ اور کسی نظام فکر اور کسی تمدن کی جڑیں ان کے دل و دماغ کی زمین میں جمی ہوئی نہ تھیں جن کا اکھاڑنا اور ان کی جگہ نئے فلسفے اور نئے تمدن کو بٹھانا مشکل ہوتا نیز یہ قوم نہ تو کسی سیاسی نظام کی بندش میں جکڑی ہوئی تھی۔ اور نہ غلامی کی ہوا نے اس کے ضمیر کو بدلا تھا۔ بڑی حوصلہ مند، بے پناہ عزم و ہمت کی مالک، نہایت خود دار، غیور، شجاعت پسند، اپنی بات کے لئے بے دریغ اور بے حساب قربانیاں کرنے والی سخت جفاکش اور مشکلات سے کبھی منہ نہ موڑنے والی اور اپنی فطرت میں نہایت قابل اور تابناک جوہر رکھنے والی قوم تھی۔ اس قوم کی شجاعت و بہادری کا یہ حال تھا کہ جس وقت پورا عالم قیصر و کسریٰ کا غلام اور محکوم تھا۔ عرب اس وقت بھی باوجود اپنی بے سرو سامانی کے کسی کا محکوم نہ تھا۔ جرأت کا یہ حال تھا کہ عرب کے ادنیٰ فقیر بات کرتے وقت کسی بڑے سے بڑے بادشاہ سے بھی مرعوب نہ ہوتے تھے۔

اس قوم کی سخاوت وایثار کا یہ حال تھا کہ ایک مہمان کی خاطر سالم اونٹ ذبح کر دیتے تھے۔ خود بھوکا رہنا گوارا کر لیتے مگر مہمان کا رہنا ناممکن تھا۔ اس قوم کے ان خداداد جواہر پر تاریخ گواہ ہے۔ اور اس قوم عرب نے اسلام قبول کرنے کے بعد اپنی خداداد صلاحیتوں اور فطری جواہر کو استعمال کر کے جو کچھ دنیا میں کر کے دکھایا وہ ہمارے اس بیان کا ثبوت ہے۔ اس کے علاوہ اس قوم کے پاس ایک نہایت اعلیٰ ترقی یافتہ زبان تھی جو کسی عالمگیر اصلاحی انقلاب کا ذریعہ بننے کے لئے اس وقت کی تمام زبانوں سے زیادہ صلاحیت رکھتی تھی۔ اور آج بھی اس کی یہ خصوصیت مسلّم ہے۔ کسی غیر عربی دان کے لئے اس عربی زبان کی اس خصوصیت کا اندازہ کرنا مشکل ہے۔ لیکن عربی دان حضرات خوب جانتے ہیں کہ اس زبان میں کس بلا کی طاقت ہے اور کسی دعوت کی ترجمان اور ذریعۂ تبلیغ بننے کی کتنی اعلیٰ صلاحیت موجود ہے۔ فصاحت و بلاغت میں کوئی زبان عربی زبان کی پاسنگ بھی نہیں۔ بلکہ اول تو کسی زبان میں علم بلاغت پر مستقل کتابیں نہیں۔ اگر کچھ ہیں بھی تو وہ سب عربی زبان سے ماخوذ کی گئی ہیں۔ اس کے علاوہ عرب قوم اور خصوصاً قریش ایک اعلیٰ وارفع نسب وحسب رکھتے تھے۔

اور اس قوم میں نسب دانی کا اس درجہ اہتمام تھا کہ انسانوں سے گزر کر گھوڑوں کے نسب بھی یاد رکھے جاتے تھے یہ بھی یاد رکھا جاتا تھا کہ کون آزاد عورت کے بطن سے ہے اور کون باندی سے ہے۔ اس لحاظ سے یہ بھی ضروری تھا کہ یہ عالمگیر نبوت کا داعی اپنے حسب ونسب میں پورے عالم میں پاکیزہ اور بلند معیار کا ہو۔ اس لحاظ سے وہ خاتم النبیین۔ کافۃ للناس۔ رحمۃ للعالمین۔ قریشی اور ہاشمی تھے۔ جو پورے عالم میں اعلیٰ حسب ونسب ہے یہی وجہ ہے کہ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ اسلام قبول کرنے سے پہلے جب قیصر روم کے دربار میں مسلمانوں کی شکایت لے کر گئے اور قیصر روم نے نسب کے بارے میں سوال کیا تو ابوسفیان رضؓ نے جواب میں فرمایا۔

ھو ذو نسب فینا ۔ وہ ہم میں بڑے نسب والے ہیں۔

حافظ عسقلانی بزاز کی روایت کرتے ہوئے ابوسفیان کے الفاظ نقل کرتے ہیں۔

ھو فینا ذو حسب مالا یفضل علیہ احد یعنی حسب ونسب میں خاندانی شرافت میں کوئی ان سے بڑھ کر نہیں۔

قیصر روم نے کہا وکذالک الرسل تبعث فی احساب قومھا پیغمبر ہمیشہ شریف خاندان میں ہوتے ہیں۔ اور یہی ان کی نبوت کی نشانی ہے۔

بہرحال یہ وہ چند حقائق اور وجوہات ہیں جن کو دیکھ کر عقلمند سمجھ سکتا ہے۔ کہ عالمگیر پیغمبری کے لئے ملک عرب مرکز اور عربی قوم عربی زبان اور قریشی ہاشمی خاندان کا انتخاب ضروری تھا +

قسط ۴ — مولانا عبدالقیوم حقانی

ریشم کا کاروبار کرنے والے ارباب علم و فضل کا تذکرہ

(علامہ سمعانی سے ایک ملاقات)

گرمیوں کا موسم ہے آدھی رات گذر چکی ہے۔ ذی الحجہ کی دسویں تاریخ ہے۔ آسمان پہ ستاروں کی مجلس شبینہ آراستہ ہے۔ صبح صادق کے برآمد ہونے میں ابھی کافی دیر ہے۔ کائنات پر سکوت اور ستاروں کی روشنی سے مخلوط تاریکی چھائی ہوئی ہے۔ علامہ جامی کی مجلس پُر سعادت "نفحات الانس" سے جی بہلانے کی کوشش کر رہا تھا۔ کہ اچانک تخیل کے وسیع گوشوں، اطمینان خاطر کی طلب گاریوں، تصورات کے انتشار، کچھ بے چینی اور اضطراب کی تاریکیوں میں ایک درخشاں چہرہ، ایک نورانی اور شیریں تبسم اور پُر اسرار انداز کی نگاہِ دلآویز نے تاریکیاں دور اور اضطرابات کافور کر دئے۔

اور حقیقت بھی یہ ہے کہ آسمان کے سورج کی طرح محبت کا بھی ایک سورج ہوتا ہے جس کی روح اور دل کی ساری تاریکیاں دور ہو جاتی ہیں۔ خلوت و تنہائی، دل کے اضطراب اور رات کی وحشت و تاریکی میں یہ دلنواز اور شیریں آواز ایسی آواز جو سراسر شفقت اور ہمدردی میں ڈوبی ہوئی آواز تھی۔ ایسی آواز جس میں ہمت افزائیاں اور سرفرازیاں ہوئیں۔ جس نے مایوسیوں میں ڈھارس بندھوائی۔ یہ آواز " الانساب " کے مصنف علامہ ابو سعید عبدالکریم بن محمد السمعانی (المتوفی ۵۶۲ ھ) کی آواز تھی۔ جو قصرِ معرفت کے روزن اور گلشنِ علم کے دریچے " الانساب " سے بول رہے تھے۔

ان کی نگاہیں ایسی دلآویز، گفتگو ایسی شیریں اور اندازِ تخاطب ایسا مشفقانہ تھا کہ دنیا کی ساری راحتیں اور سکون گویا انہی کی نظر عنایت میں سما کر رہ گیا تھا۔ اور حقیقت واقعہ بھی یہی ہے کہ جب علم و قلم اور نگاہ دلنواز کی زبان کھل جاتی ہے تو منہ کی زبان کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی۔

آج ان کی محفل اور مجلس علم و فضل (بصورت مطالعہ کتاب الانساب) میں حقیقت اپنی پوری شان تاثیر کے ساتھ بے نقاب ہو کر سامنے آگئی تھی۔ اس سے قبل بھی علامہ عبدالکریم سمعانی سے تین ملاقاتیں ہو چکی ہیں۔ ان کی روئیداد بھی قارئین "الحق" تک پہنچا دی جا چکی ہے۔ اور ہمیں اس حقیقت کے اظہار میں کوئی عار نہیں کہ بغیر کسی غرض اور انتفاع کے علامہ سمعانی کا ہم طلبہ کے ساتھ شفقت، عنایت اور حسن سلوک، دل پذیر محبت

کا زخم بن کر رہ گیا ہے۔ جو روح کے لئے ناسور اور دل کے لئے ایک دہکتا ہوا انگارہ ثابت ہو رہا ہے۔ جس قدر بھی ان کی مجلس فیض و افادہ میں حاضری ہوتی رہی ہے۔ روح کا زخم گہرا ہوتا جا رہا ہے۔ اور دل کی تپش بڑھتی جا رہی ہے۔

احقر اس سے قبل بھی علامہ سمعانیؒ نیک شہرت، علم پروری، اصاغر نوازی، عظیم علمی و تصنیفی کارناموں اور کسی حد تک مجلسی افادات سے بے خبر نہ تھا۔ لیکن صورت آشنا نہ تھا کہ مجلس میں حاضری کا موقع ہی نہ ملا تھا۔

اب کے بار بلکہ چوتھی بار جب ان کی مجلس رشد و ہدایت (الانساب) میں حاضری کا موقع مل رہا ہے اگرچہ دل جو سوسائٹی کی بے مہری، اپنوں کی سنگدلی زندگی کے تلخ تجربوں اور درماندگیوں سے پتھر کی طرح سخت ہو گیا ہے۔ مگر "الانساب" کے مصنف و میر مجلس علامہ سمعانیؒ کی محبت کی دلنوازیوں سے پگھلنے لگتا ہے گویا روح کو ان کی نگاہ محبت نے خرید لیا ہے

صد ملک دل، بہ نیم نگاہ مے تواں خرید
خوباں دریں معاملہ تقصیر مے کنند

علامہ سمعانیؒ اپنی مجلس عشق و مستی کو گویا ایک چہچہاتی ہوئی بلبل ہیں۔ جو اپنی شیریں راگوں سے غمزدہ دلوں میں طرب پیدا کر دیتی ہیں۔

اب کے بار جب ان کی مجلس میں حاضری ہوئی تو میری حیرت کی انتہا نہ رہی۔ کہ موصوف نے اپنی محفل کو ایسے لوگوں سے سجا رکھا تھا۔ جو کاروبار اور پیشہ کے لحاظ سے نسلاً بعد نسل دست کار، صنعت کار، ریشم ساز، اور ریشم فروش چلے آرہے تھے۔ مگر دنیا ان کے اشاعت علم و خدمت دین، زہد و تقویٰ اور علم و فضل کا لوہا مانتی چلی آرہی تھی۔ دست کاری، صنعت گری، ریشم سازی اور ریشم فروشی ان کا ذریعہ معاش تھا۔ سینکڑوں افراد اس کاروبار میں مشغول رہتے تھے۔ مگر ان کے خاندان میں پیشہ اور کاروبار کی طرح تحصیل و اشاعت علم کا مشغلہ بھی نسلاً بعد نسل چلا آرہا تھا۔ صنعت و حرفت کی وراثت کی طرح علم و فضل کی وراثت پر بھی انہیں فخر و ناز ہوا کرتا تھا ؎

تمام عمر تیرے درد محبت نے مجھے
کسی سے دل نہ لگانے دیا گلستاں میں

ان کے علوم و معارف اور دینی و علمی کمالات، کا آئینہ ان کے سیرت و کردار کے نادر نمونے ہیں۔ جو معاشرہ اور سوسائٹی میں ایک خاص امتیاز رکھتے ہیں جن کی ایک جھلک علامہ سمعانیؒ نے "الانساب" کے صفحہ ۲۴۳ پر

ثبت فرمائی ہے۔

موصوف لکھتے ہیں کہ مروشہر میں ایک علمی خاندان "دیوکُش" کے لقب سے معروف اور زیادہ مشہور تھا۔ وجہ یہ ہے کہ ان کے یہاں ریشم سازی اور ریشم فروشی کا کاروبار ہوتا تھا۔ بلکہ ان کا خاندان پورے علاقے میں اس کاروبار کا مرکز تھا۔ خاندان کے افراد ریشم کے کیڑے ایک خاص ترکیب کے ساتھ پالتے اور پھر ان کو دھوپ میں سکھا کر ان سے ریشم نکالا کرتے تھے چونکہ فارسی میں ان کیڑوں کو "دیو" کہتے ہیں اس لئے اسی مناسبت سے اس پورے خاندان کا نام "دیوکُش" پڑ گیا۔ علامہ سمعانی نے "الانساب" میں اس باب کا عنوان بھی لفظ "دیوکش" سے قائم کیا ہے۔

دیوکُشوں کے اس خاندان کے افراد نے جس طرح ریشم سازی کی صنعت میں ترقی و کمال حاصل کرکے اپنا خاندانی امتیاز باقی رکھا اسی طرح انہوں نے ایمان و یقین، علم و تحقیق، ذاتی تجربات، ذوق صحیح، کتاب و سنت کا صحیح و عمیق علم اور علم و فکر کی بلندیوں تک رسائی حاصل کی۔ تزکیہ نفس، روح کی لطافت و ذکاوت کی صنعت میں ان کی قوت فکریہ کے طائر بلند پرواز نے رضائے الٰہی کے بلند شاخوں پر اپنا نشیمن بنایا۔ اور رحمت الٰہی کی کھلی فضاؤں میں پرواز کی۔

ابو محمد عبد اللہ بن محمد بن عبد اللہ بن دیوکُش اسی خاندان کے چشم و چراغ ہیں جنہوں نے مختلف علوم و فنون بالخصوص علم فقہ میں اپنی خداداد صلاحیتوں اور توفیق ایزدی کی رفاقت سے گراں قدر علمی تنقیحات، نادر تحقیقات اور پیچیدہ فقہی مشکلات کی عقدہ کشائی کی جو ان کے علم کی پختگی اور گہرائی کا زندہ جاوید ثبوت ہے۔ ان کے استقلال واخلاص، توکل، اعتماد، زہد و قربانی، درد دل اور سوز دروں نے ان کی سیرت و کردار کو جلا بخشی اور ان ہی کے مخلصانہ مساعی اور پاک بازی کی وجہ سے خاندان دیوکُش کو زندگی اور تاریخی عظمتیں حاصل ہوئیں۔

خدا کی شان کہ جو صنعتیں، کاروبار اور پیشے ہزاروں برس، صحیح یقین اور صحیح معرفت سے محروم اور توحید و رسالت کے پیغام سے ناآشنا تھے ابو محمد عبد اللہ جیسے پاکباز، نیک سیرت اور خداپرست حضرات کی محنت ریاضت اور شبانہ روز مشقت سے وہ خاندان، علماء اور اولیاء کے خاندان اور علوم اسلامیہ اور کمالات دینیہ کے محافظ و امین بن گئے۔

موصوف نے احمد بن نصر بحری کے لڑکوں ابو احمد عبد الرحمٰن اور ابو محمد عبد اللہ سے علم حدیث کی تحصیل و تکمیل کی ہر دو حضرات کا اپنے زمانے میں اکابر اساتذہ حدیث میں شمار ہوتا تھا۔ دونوں حضرات کو علم حدیث میں پختگی گہرائی اور علاقہ بصرہ میں مرکزیت حاصل تھی۔

تحصیل علم کے بعد موصوف کو اللہ تعالیٰ نے خدمت و اشاعت علم، درس و تدریس کے مواقع عطا فرمائے

انہیں بھی اپنے قابل، فائق اور فاضل اساتذہ کی طرح قبول عام اور بقائے دوام حاصل ہوا۔ طالبانِ علوم نبوت کے مرجع بنے۔ اور شہرت و قبولیت عامہ نصیب ہوئی۔ آپ کا حلقۂ درس اور حلقۂ ارادت روز بروز وسیع ہوتا چلا گیا آپ کے تلامذۂ حدیث میں ہمارے "الانساب" کے مصنف علامہ سمعانی کے والد کا نام بھی گنوایا جاتا ہے اور انہیں اس نسبت پر ہمیشہ فخر و امتیاز حاصل رہا۔ جیسا کہ علامہ سمعانی کی تحریر سے یہی معلوم ہوتا ہے۔ ان کے علاوہ ابو طاہر محمد بن محمد بن عبداللہ مسخر۔ اور ابوبکر عتیق بن علی غازی کو بھی علم حدیث میں آپ سے تلمذ کا شرف حاصل رہا۔ ۴۹۰ ھ کے حدود میں عازم اقلیم عدم ہوئے۔

محمد بن عبداللہ دیوکُش، آپ ہی کے صاحبزادے ہیں۔ بڑے ذہین، ذکی اور نقطہ رس تھے۔ انہیں بھی اپنے عظیم والد کی طرح دستکاری اور ریشم سازی میں تجربہ و مہارت کے ساتھ ساتھ خدمت دین، اشاعت علم اور درس و تدریس کے بھی خوب مواقع ملتے رہے۔ خدا تعالیٰ نے ان کو غضب کی قوتِ استدلال سے نوازا تھا۔ بیان کی دلآویزی، زبان کی شگفتگی اور دلائل کی قوت سے بحث کے اطراف و جوانب بڑی خوبی کے ساتھ ایک نقطۂ جامعیت پر سمیٹ دیتے تھے۔ جس کی وجہ سے انہیں دینی و علمی حلقوں اور طلبہ حدیث میں شہرت اور قبولیت عامہ نصیب ہوئی۔

ہمارے "الانساب" کے مصنف علامہ سمعانی کو بھی ان سے زیارت و ملاقات اور استفادے کی سعادت حاصل ہوئی تھی جس کا انہوں نے بڑے فخر و امتیاز اور اہتمام کے ساتھ ذکر فرمایا ہے۔

خاندان دیوکُش جو ریشم سازی کا مرکز اور علاقہ بھر کے لیے مرجع بنا ہوا تھا۔ دیوکشوں کے اس خاندان میں اللہ تعالیٰ نے ایسے رجال کار، اور فرد رشید کھڑے کر دیئے تھے جنہوں نے دستکاری اور ریشم سازی کے ساتھ ساتھ آدم سازی و آدم گری کی صنعت میں بھی اپنے خاندان کو ناموری اور نیک نامی کے معراج تک پہنچایا بطور مثال ہم نے "الانساب" سے ابو محمد عبداللہ بن محمد دیوکُش اور ان کے ہونہار صاحبزادے محمد بن عبداللہ دیوکش کا اجمالی تذکرہ نقل کر دیا ہے۔

سوجھ بوجھ اور قدرے عقل سے کام لینے والوں کے لئے صرف ان دو حضرات ہی کے اس مختصر تذکرہ میں کتنی نصیحتیں، کتنی عبرتیں اور کتنے انقلاب انگیز اسباق موجود ہیں کہ تحصیل علم اور پھر اشاعت علم کے دوران اگر اپنے ہاتھ کی کمائی سے رزق حلال کے قوت لایموت پر زندگی اور مستقبل کی جسمانی ساخت کا سانچہ تیار کیا جاتا رہا۔ تو قدرت انہیں مستقبل کی عملی زندگی میں علمی و روحانی سلسلے بھی ویسے میسر کر دے گی جس کی طلب گاریوں میں انہوں نے اپنی قیمتی صلاحیتیں کھپا دیں۔

آج نہیں کہ اس دور کا "آج" گذشتہ زمانے کے کل سے بہت زیادہ بدل چکا ہے۔ کہ حب علم دین کی بہشتی

ڈگریوں کی نہ حکومت خریدار تھی، اور نہ پبلک میں ان معاشی اجازت ناموں کی کوئی طلب گاری تھی۔ جو بھی اس راہ میں قدم رکھتا سرِراہ وسوسہ ڈالنے والا "خناس" خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَة کا بورڈ آویزاں کردیتا۔

کیا عجب زمانہ تھا اور کیسا عجب تماشہ تھا کہ صرف دیوکشنوں کے خاندان کے ان افراد نے نہیں بلکہ ہمارے اسلاف اور مشاہیر ارباب علم وفضل نے

أَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَه کیا اپنے بندہ کے لئے اللہ کافی نہیں

کے قرآنی سوال کے جواب میں

حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ نِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيرُ ہمارے لئے اللہ بس ہے بڑا اچھا وکیل (پشت پناہ) کتنا اچھا آقا اور کیسا اچھا یار فرما

کی مضبوط چٹان سے زندگی کے جہاز کو باندھ دیا تھا۔ مگر تاریخ گواہ ہے "الانساب" کے ۱۲۰۶ (بارہ سو چھ صفحات) پڑھ جایئے۔ اس کے علاوہ کتابیں اٹھا اٹھا کر ایک ایک مؤرخ سے دریافت کرتے چلے جایئے سب کے ہاں ایک جواب اور اجماعی جواب ملے گا۔ کہ ان کو انہیں
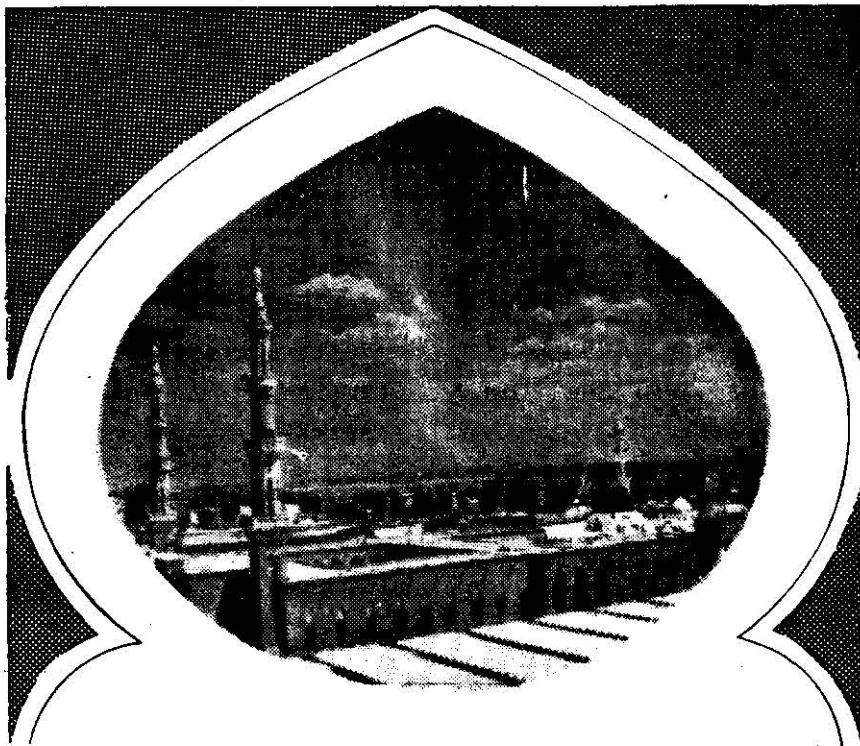
زُلْزِلُوا زِلْزَالًا شَدِيدًا جھنجھوڑ دئے گئے اچھی طرح جھنجھوڑنا

کہ مقام پر رکھا اور پرکھا گیا۔ وہ جب تک اس مقام پر رہے فقر وفاقہ اور بعض اوقات بھوک کی شدت سے گر گر کر بھی تسلیم ورضا کی راہ چلتے رہے اور ان کے چہروں پر کفرانِ نعمت اور ناشکری کے بل تک کو باریابی حاصل نہ ہوسکی۔

چند ہی دنوں بعد اللہ تعالیٰ نے بھی ان پر اپنے فضل وکرم کے دھارے کھول دئے۔ انعامات اور ربانی تجلیات وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ کی صورت میں جلوہ گر ہوتے رہے۔

مگر آج کس کس پہلو پر رونا رویا جائے۔ کس کس سوراخ کو بند کیا جائے۔ اور کس کس زخم پر پنبہ رکھا جائے علم کے زوال اور رامت کے ادبار وتنزل کے لئے کیا یہ کوئی کم واقعہ ہے۔ کہ طلبہ کو "رزق حلال" "پیشہ ورانہ تربیت" دستکاری اور اپنے ہاتھوں سے حلال کی کمائی کے بجائے ابتدائے روز سے انجمن سازی، تنظیم سازی، سیاست گری، صحافت، تہذیب اور خدا جانے کن کن ناموں کا پردہ ڈال کر کیسے کیسے لایعنی مشاغل اور تنعّمات کا عادی بنایا جا رہا ہے۔ جن چیزوں کو ہمارے اسلاف نے غیر ضروری سمجھا مگر اب ان ہی چیزوں کو زندگی کی اوّلین ضرورت قرار دیا جا رہا ہے۔

ان کی زندگی صاف ستھری، دھلی دھلائی، اجلی محنت ومشقت اور اپنے ہاتھوں سے رزقِ حلال کی کمائی والی سرد وگرم چشیدہ زندگی تھی۔ ایسی زندگی اپنے اندر جو پختگی رکھتی ہے

مولانا حفظ الرحمٰن صاحب قاسمی

حسد اور اس کے مہلک اثرات قرآن و حدیث کی روشنی میں

حسد کے معنی | دوسروں کی خوشی دیکھ کر جلنے یا دوسروں کی نعمت کا زوال اور اپنے لئے اس نعمت کی خواہش کرنے کو حسد کہتے ہیں۔ خواہ اس نعمت کا تعلق مال و دولت، عزوجاہ، صحت و تندرستی کسی چیز سے بھی ہو یا الفاظ دیگر کسی شخص کو اللہ تعالیٰ نے جو نعمت یا خوبی یا فضیلت عطا فرمائی ہے اس پر کسی دوسرے شخص کا جل کر یہ کہنا کہ وہ نعمت، خوبی یا فضیلت اس شخص سے چھن کر خود اس کو حاصل ہوجائے یا کم از کم اس دوسرے شخص سے ضرور چھن جائے "حسد" کہلاتا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حسد، کسی مستحق نعمت کی نعمت کا زوال اور اپنے لئے اس کی خواہش کرنے کو کہتے ہیں۔ قطع نظر اس بات سے کہ حاسد نے مستحق نعمت کے خلاف عملاً کوئی اقدام کیا ہے یا نہیں۔

اقسام | حسد کی تین قسمیں ہیں۔

۱۔ اگر حاسد اپنے محسود کی نعمت کا زوال یا اس میں نقص پیدا کرنے کے لئے کسی قسم کی کوئی سعی و کوشش کرتا ہے تو یہ حسد ظلم کہلائے گا۔ اور حاسد کا یہ فعل جور و تعدی پر محمول ہوگا جس کی قرآن و حدیث میں سخت ممانعت آئی ہے۔

۲۔ حاسد نے مستحق نعمت کے خلاف کوئی عملی اقدام یا ناپسندیدہ ذرائع و اسباب کا استعمال تو نہیں کیا لیکن اگر اس کا بس چلتا تو وہ اس سے دریغ ہرگز نہ کرتا تو یہ حسد بھی قابلِ مذمت دلفرت بلکہ قابلِ گرفت و مواخذہ ہے۔

۳۔ تیسری قسم یہ ہے کہ حاسد اپنے محسود کے خلاف کوئی نامناسب قدم یہ سمجھ کر نہیں اٹھاتا کہ یہ تقویٰ کے خلاف ہے تو یہ حسد قابلِ عفو و درگذر ہے۔ چنانچہ جن احادیث میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ "ثلاث لا یسلم منها احد - الطیرۃ[۱] - والظن[۲] الحسد[۳]"

تین چیزیں ایسی ہیں جن سے کوئی محفوظ نہیں۔ پہلی بدشگونی۔ دوسری بدظنی اور تیسری حسد۔

"ثلاث لا ینفک المؤمن عنهن، الحسد والظن والطیرہ"، تینوں چیزوں سے کسی مسلمان کو رستگاری نہیں ہے۔ پہلی چیز، حسد۔ دوسری بدظنی اور تیسری بدفالی۔ اس حسد سے مراد یہی تیسری قسم ہے کیونکہ

یہ غیر ارادی وغیر اختیاری ہے جس کے متعلق قرآن کریم میں حضرت حق جل مجدہ کا ارشاد ہے۔

لا یکلف اللہ نفساً الا وسعھا۔ لھا ما کسبت وعلیھا ما اکتسبت

یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ صرف انہی چیزوں کا کسی کو مکلف بناتا ہے جو اس کے قدرت و اختیار میں ہو اس کو ثواب بھی اسی کا ملے گا جو ارادہ سے کرے اور عذاب بھی اسی کا ہوگا جو ارادہ سے کرے (بقرہ آیت ۲۸۵)

ایک غلط فہمی | چونکہ بعض جگہوں پر لفظ حسد کا استعمال منافسہ اور منافسہ کا استعمال حسد کے معنی میں کیا گیا ہے اس لئے غلط فہمی کی بنا پر کچھ لوگ دونوں کو مترادف وہم معنی لفظ سمجھتے ہیں۔ حالاں کہ دونوں میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ حسد سراسر ناجائز اور حرام فعل ہے جب کہ منافسہ جسے اردو میں رشک کہا جاتا ہے نہ صرف یہ کہ جائز ہے بلکہ ایمان اور نماز وغیرہ جیسی نعمتوں کے لئے رشک کرنا ضروری ہے۔ اور فضائل ومکارم کے لئے مستحب و پسندیدہ ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

فلیتنافس المتنافسون حدیث شریف میں ارشاد فرمایا گیا ہے۔ ان المؤمن یغبط والمنافق یحسد مومن اچھی چیزوں کو دیکھ کر رشک کرتا ہے اور منافق حسد۔ کیونکہ اسلام وایمان جیسی نعمتوں کو اپنے لئے نہ چاہنا معصیت پر رضامندی کی دلیل ہے جس کا نتیجہ جہنم ہے۔

مثال ایک حدیث میں حسد اور رشک کے فرق کو مثال کے ذریعہ واضح کرتے ہوئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ مثل ھذہ الامۃ مثل اربعۃ، رجل آتاہ اللہ مالاً وعلماً۔ فھو یعمل بعلمہ فی مالہ ورجل آتاہ اللہ علما ولم یؤتہ مالاً۔ فیقول: رب لو ان لی مالاً مثل مال فلان۔ لکنت اعمل فیہ بمثل عملہ، فھما فی الاجر سواء۔ وھذا منہ حب لان یکون لہ مثل مالہ، فیعمل مثل ما یعمل من غیر حب زوال النعمۃ عنہ۔ قال: ورجل آتاہ اللہ مالاً۔ ولم یؤتہ علماً۔ فھو ینفقہ فی معاصی اللہ ورجل لم یؤتہ علما ولم یؤتہ مالاً، فیقول، لو ان لی مثل مال فکان، لکنت انفقہ فیہ من المعاصی، فھما فی الوزر سواء۔

اس امت کی مثال ان چار آدمیوں کی طرح ہے جن میں ایک کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے مال اور علم دونوں سے نوازا ہے اس لئے وہ اپنے علم کی روشنی میں مال کو کار خیر میں صرف کرتا ہے دوسرا وہ آدمی ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے صرف دولت علم سے نوازا ہے۔ چنانچہ یہ آدمی بارگاہ خداوندی میں اپنی خواہش کا اظہار کرتا ہے کہ یا الہ العالمین اگر تو مجھے بھی پہلے شخص جتنا مال دیتا تو میں بھی اسی کی طرح کار خیر میں خرچ کرکے تیرے ثواب کا زیادہ سے زیادہ مستحق ہوتا۔ چونکہ یہ خواہش دوسرے کی نعمت کا زوال چاہے بغیر محض حصول ثواب اور قرب خداوندی کے لئے ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کے یہاں دونوں اجر میں برابر ہوں گے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تیسرا وہ شخص ہے جس کو مال

دیا گیا اس لئے یہ شخص اپنے مال کو برے کاموں میں صرف کرتا ہے۔ اور چوتھا شخص وہ ہے جس کو نہ مال دیا گیا اور نہ علم، چنانچہ یہ شخص خواہش کرتا ہے کہ اگر میرے پاس بھی تیسرے آدمی جتنا مال و دولت ہوتا تو میں بھی اسی کی طرح برے کاموں میں صرف کرتا۔ لہٰذا یہ دونوں اس گناہ میں برابر کے حصہ دار ہوگئے۔

مذکورہ بالا حدیث سے یہ بات اچھی طرح واضح ہوگئی کہ نعمت یافتہ کی نعمت کا زوال چاہے بغیر اس جیسی نعمت کی اپنے لئے خواہش کرنا جائز ہے تاکہ وہ بھی خیر میں اس کے مساوی ہوجائے۔ اس جگہ یہ بات بھی خوب اچھی طرح ذہن نشین رہنی چاہئے کہ مساوات کی خواہش کا رخ منفی راہ نہ اختیار کرنے پائے۔ یعنی اگر خدا نخواستہ کسی وجہ سے اس جائز خواہش کی تکمیل نہ ہو تو یہ نہ سوچنے لگے کہ چونکہ مجھے وہ نعمت میسر نہیں ہوسکی اس لئے اس نعمت کے پانے والے سے بھی وہ ضرور چھن جائے "تاکہ مساوات ہوجائے" کیونکہ اس طرح کا سوچنا یہ بھی حسد ہوجائے گا۔

حسد کے درجات و احکام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:-

حسد کے چار درجے ہیں۔ اور ہر ایک کے احکام الگ الگ اور جداگانہ ہیں۔

۱۔ کسی شخص کو اللہ تبارک و تعالیٰ نے جو نعمت یا خوبی یا فضیلت عطا فرمائی ہے۔ اس پر جل کر حاسد یہ چاہے کہ وہ نعمت، خوبی یا فضیلت خود اسے حاصل ہو یا نہ ہو اس دوسرے شخص سے ضرور چھن جائے یہ حسد انتہائی مذموم ہے۔ ۲۔ کسی دوسرے شخص کو اللہ تعالیٰ نے جو نعمت عطا فرمائی اس پر جل کر حاسد یہ چاہے کہ اس شخص سے نعمت چھن کر بعینہٖ وہی نعمت خود اس کو حاصل ہوجائے۔ یہ حسد بھی مذموم ہے۔ ۳۔ تیسرا درجہ یہ ہے کہ حاسد کسی دوسرے کی نعمت کا ابتداءً زوال نہ چاہے اور بعینہٖ اس نعمت کی اپنے لئے خواہش نہ کرے بلکہ اس جیسی نعمت کا متمنی ہو ہاں اگر یہ نعمت اسے میسر نہیں آتی تب وہ محسود کی نعمت سے زوال کی خواہش کرنے لگے تاکہ دونوں میں کوئی چیز وجہ امتیاز نہ بن سکے۔ یہ حسد بھی ممنوع ہے۔ ۴۔ چوتھا درجہ یہ ہے کہ حاسد اپنے محسود جیسی نعمت کا خواہشمند تو ہے مگر اس سے اس نعمت کا زوال ہرگز نہیں چاہتا۔ لہٰذا اگر یہ حسد دنیاوی امور کے لئے ہے تو قابل عفو و درگذر ہے اور اگر دینی امور کے لئے ہے تو محبوب و پسندیدہ ہے۔

حسد کا آغاز حسد ایک ایسا لاعلاج و مہلک مرض ہے جس میں انسان ابتدائے آفرینش سے مبتلا ہے بعض علماء کا خیال ہے کہ وہ حسد ہی کی کارفرمائی تھی جس کی بنا پر سیدنا آدم علیہ السلام سے سب سے پہلا نامناسب کام ہوا۔ جس سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو پہلے ہی منع فرما دیا تھا: تاکہ فرشتوں کی طرح آپ بھی ہمیشہ جنت میں رہ سکیں۔ اسی واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ و تبارک نے ارشاد فرمایا:

اسکن انت وزوجك الجنة، فکلا من حیث شئتما، ولا تقربا هذه الشجرة

فتكونا من الظالمين. فوسوس لهما الشيطان ليبدي لهما ما وُري عنهما من سوءاتهما وقال: ما نهاكما ربكما عن هذه الشجرة، الا ان تكونا ملكين او تكونا من الخالدين وقاسمهما انى لكما لمن الناصحين فدلهما بغرور، فلما ذاقا الشجرة. بدت لهما.... سوءاتهما، وطفقا يخصفان عليهما من ورق الجنة ونادا هما ربهما - الم انهكما عن تلكما الشجرة، واقل لكما ان الشيطان لكما عدو مبين ○

ترجمہ۔ اور ہم نے حکم دیا، اے آدم تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو۔ پھر جس جگہ سے چاہو تم دونوں کھاؤ، اور اس درخت کے پاس مت جاؤ۔ کبھی ان لوگوں کے شمار میں آجاؤ جن سے نامناسب کام ہو جایا کرتے ہیں۔ پھر شیطان نے ان دونوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالا تاکہ ان کا پردہ کا بدن جو ایک دوسرے سے پوشیدہ تھا دونوں کے روبرو بے پردہ کر دئے۔ اور کہنے لگا کہ تمہارے رب نے تم دونوں کو اس درخت سے صرف اس لئے منع فرمایا ہے کہ کہیں تم دونوں فرشتے نہ ہو جاؤ۔ یا ہمیشہ زندہ رہنے والوں میں سے نہ ہو جاؤ۔ اور ان دونوں کے روبرو قسم کھائی کہ میں آپ دونوں کا خیر خواہ ہوں۔ سو ان دونوں کو فریب سے نیچے لے آیا۔ پس ان دونوں نے جب درخت کو چکھا تو دونوں کا پردہ کا بدن ایک دوسرے کے روبرو بے پردہ ہو گیا۔ اور دونوں اپنے اوپر درخت کے پتے جوڑ جوڑ کر رکھنے لگے۔ اور ان کے رب نے ان کو پکارا۔ کیا میں تم دونوں کو اس درخت سے منع نہ کر چکا تھا اور یہ نہ کہہ چکا تھا کہ شیطان تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے۔ (اعراف ۱۹ تا ۲۰)

اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں سیدنا آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ان کے بعد ان کی اولاد کا جو مقام تھا ابلیس اس سے ناواقف نہیں تھا۔ چنانچہ وہ اس بات سے انتہائی دردمند ہوا کہ آدم اور ان کی اولاد تو نوازے جائیں اور میں محروم کر دیا جاؤں۔ اس لئے اس کی فطرت میں حسد کی چنگاری بھڑک اٹھی۔ اور یہ لاعلاج مرض وجود میں آیا۔ جس کی وجہ سے شیطان روئے زمین پر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا مرتکب ہوا۔ اور خداوند قدوس کی رحمت سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے مردود و محروم ہوا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

ولقد خلقناكم ثم صوّرناكم. ثم قلنا للملئكة اسجدوا لآدم فسجدوا الّا ابليس. لم يكن من الساجدين.

قال: ما منعك الا تسجد إذ امرتك. قال: انا خير منه خلقتني من نار وخلقته من طين. قال: فاهبط منها فما يكون لك ان تتكبر فيها فاخرج، انك من الصاغرين ○

ترجمہ۔ اور ہم نے تم کو پیدا کیا اور ہم نے ہی تمہاری صورت بنائی۔ پھر ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو۔ سو سب نے سجدہ کیا بجز ابلیس کے۔ کہ وہ سجدہ کرنے والوں میں شامل نہیں ہوا۔ حق تعالیٰ نے فرمایا تو سجدہ کیوں نہیں کرتا جب کہ میں تجھ کو حکم دے چکا۔ کہنے لگا میں اس سے بہتر ہوں آپ نے مجھ کو آگ سے پیدا کیا اور اس کو خاک سے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تو آسمان سے اتر تجھ کو کوئی حق حاصل نہیں ہے کہ تو (آسمان) میں رہ کر تکبّر کرے (سورہ اعراف آیت ۱۰،۱۳)

اس شرمناک ذلت و رسوائی کے بعد شیطان نے اس بات کا عہد کر لیا کہ جس مرض کا میں شکار ہوں ابن آدم کو بھی اس کا ذائقہ چکھائے بغیر چین نہیں لوں گا۔ چنانچہ اس اللہ کے دشمن نے اللہ تعالیٰ سے باضابطہ اس بات کی اجازت طلب کی کہ آپ مجھے قیامت تک کی مہلت دیجئے کہ میں ابن آدم کی تباہی و بربادی کے لئے ہر ممکن کوشش کروں اور انہیں ایسے کاموں کی ترغیب دوں جس سے وہ آپ کی ناراضگی و عتاب کے مستحق ہوں۔ قرآن کریم میں اسی واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تبارک و تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:۔

قال انظرنی الی یوم یبعثون، قال: انک من المنظرین، قال: فبما اغویتنی لاقعدن لهم صراطك المستقیم، ثم لآتینهم من بین ایدیهم ومن خلفهم وعن ایمانهم وعن شمائلهم ولا تجد اکثرهم شاکرین ۰

ترجمہ: شیطان کہنے لگا مجھے اجازت دیجئے قیامت کے دن تک۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تجھ کو مہلت دی گئی۔ وہ کہنے لگا چونکہ آپ نے مجھے گمراہ کیا ہے میں قسم کھاتا ہوں کہ میں ان کے لئے آپ کی سیدھی راہ پر بیٹھوں گا۔ پھر ان پر ہر چہار جانب سے حملہ کروں گا اور آپ ان میں سے بیشتر کو احسان فراموش پائیں گے (سورہ اعراف آیت ۱۳،۱۷)

حسد کے اسباب | حسد کے اسباب ان گنت ہیں جن کو احاطہ شمار میں لانا ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ تاہم مشتے از خروارے کے طور پر چند اہم اسباب ذیل میں درج کئے جا رہے ہیں۔ جو حقیقت میں حسد کے جملہ اسباب کا منبع و سرچشمہ ہیں۔

۱۔ بغض و عداوت | حسد اور دشمنی دونوں میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔ کیونکہ یہ ناممکنات میں سے ہے کہ ایک شخص دوسرے سے بغض و عداوت بھی رکھے اور پھر اس کے خوشی و غم میں شریک بھی ہو۔ اسی لئے اللہ تبارک و تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ:۔

واذا لقوکم قالوا آمنا واذا خلوا عضوا علیکم الانامل من الغیظ، قل موتوا بغیظکم۔ ان اللہ علیم بذات الصدور، ان تمسسکم حسنة تسؤهم وان تصبکم سیئة یفرحوا بها۔

جب تم سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں ہم ایمان لائے اور جب تنہائی میں ہوتے ہیں تو غصے سے اپنی انگلیاں کاٹتے ہیں آپ کہہ دیجئے تم لوگ اپنے غصے میں ہلاک ہو جاؤ۔ یقیناً اللہ تعالیٰ سینوں کے بھید کو خوب جانتا ہے اور اگر تم کو کوئی بھلائی حاصل ہو جاتی ہے تو انہیں بری لگتی ہے۔ اور اگر تم کو کوئی مصیبت پیش آجاتی ہے تو اس پر یہ خوش ہوتے ہیں۔ ایک دوسری آیت میں اسی مضمون کو بیان کرتے ہوئے اللہ جل جلالہ نے فرمایا۔

ودوا ما عنتم قد بدت البغضاء من افواههم وما تخفی صدورهم اکبر

تمہاری مشقت و تکلیف کی تمنا کرتے ہیں ان کے منہ سے بغض ظاہر ہو رہا ہے۔ اور جو کچھ ان کے دلوں میں پوشیدہ ہے وہ اس ظاہر سے بھی بڑھ کر ہے۔

۲۔ کبر و غرور | کبر و غرور کی وجہ سے بھی انسان حسد کا شکار ہو جاتا ہے۔ کفار مکہ تکبر کے نشہ میں وحشت ہو کر آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کہتے تھے کہ اس یتیم، امی و جاہل غلام کی ہم کیسے اتباع کریں۔ اور اپنا سربراہ مانیں ؟ ہاں اگر اس کی جگہ کوئی عظیم شخص جو ہم میں ہر اعتبار سے لائق و فائق ہوتا تو ہم بلا چون و چرا اس کو اپنا مقتدا و پیشوا بنا لیتے اور اس کے احکام کی تعمیل کو اپنے لئے باعث فخر و سعادت سمجھتے۔ اس لئے یہ لوگ آپؐ سے جلنے لگے۔ اسی کو نقل کرتے ہوئے حضرت حق جل مجدہ نے ارشاد فرمایا۔

لولا نزل هذا القرآن علی رجل من القریتین عظیم

کیوں نہیں نازل کیا گیا قرآن ان دونوں شہروں میں سے کسی عظیم اور بڑے شخص پر۔

اسی طرح قریش مکہ مسلمانوں کا مذاق اڑاتے ہوئے یہ کہتے تھے کہ کیا

اهؤلاء من الله علیهم من بیننا

کیا یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے ہمارے درمیان احسان کیا ہے۔

۳۔ تعجب | اسباب حسد میں سے ایک سبب تعجب ہے۔ اسی تعجب سے پہلی امتوں نے " ما انتم الا بشر مثلنا" تم تو ہمارے ہی جیسے ہو۔ اور " انؤمن لبشرین مثلنا " کیا ہم اپنے ہی ہم جیسوں پر ایمان لے آئیں اور " ابعث اللہ بشراً رسولا " کیا اللہ نے انسان کو رسول بنا کر بھیجا ہے جیسی باتیں کہہ کر اپنے انبیاء کرام کی نبوت کا انکار کر دیا ان کی کوتاہ عقل میں یہ بات نہیں سما سکی کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں میں سے کسی کو مقام نبوت سے سرفراز فرما دیا ہے۔ کیونکہ ان کے خیال کے مطابق نبی کو فرشتہ ہونا چاہیئے، نہ کہ انسان۔ اس لئے وہ اپنے انبیاء سے حسد کرنے لگے کہ یہ اعزاز خداوندی انہیں کیسے مل گیا۔ باری تعالیٰ فرماتے ہیں:۔

او عجبتم ان جاءکم ذکر من ربکم علی رجل منکم

کیا تمہیں تعجب ہے کہ وحی آئے تمہارے کسی شخص پر تمہارے رب کی جانب سے۔

۴۔ جاہ پرستی | جاہ پرستی کی وجہ سے بھی انسان حسد کی آگ میں جلنے لگتا ہے۔ علماء یہود اس بات سے بخوبی واقف تھے کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نبی صادق و برحق ہیں مگر وہ ایمان لانے کے بجائے آپ سے صرف اس لئے حسد کرتے تھے کہ ان کی سابقہ پوزیشن برقرار رہے۔ ورنہ انہیں کوئی گھاس ڈالنے والا بھی نہ ملتا۔

جاہ پرستی کا مرض معاشرہ کے ہر طبقہ و جماعت میں پایا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر ایک شخص ہے جو کسی زبان کا ماہر ہے اس کی یہ خواہش بلکہ تمنا ہے کہ صرف میں ہی اس زبان کا عالم بے نظیر رہوں۔ تاکہ لوگ صرف میری ہی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملائیں اور یہ کہیں کہ فلاں صاحب تو وحید الدہر و فرید العصر ہیں وغیرہ وغیرہ۔ اب اگر کوئی اس کا مثیل و نظیر پیدا ہو جاتا ہے تو اس کے سینہ پر سانپ لوٹنے لگتا ہے۔ آنکھوں سے نیند اڑ جاتی ہے۔ اور وہ اپنے مثیل کے خلاف طرح طرح کا شیطانی حربہ استعمال کرتا ہے۔ جب اس کی ساری کوششیں بلکہ سازشیں محسود ہمسر کو نقصان پہنچانے کی بیکار ہو جاتی ہیں تو وہ جادو، ٹوٹکے اور منتر کرانے پر اتر آتا ہے تاکہ اس کی قیمتی جان سے اپنی انفرادیت کی ڈھتی ہوئی دیوار کو گرنے سے بچالے۔ تقریباً یہی حال زاہدوں، صوفیوں، امیروں، مترفوں، دانشوروں اور دین کے ٹھیکے داروں کا ہے۔ کہ وہ اپنے میدان میں کسی دوسرے کو اپنا ہمسر و مقابل دیکھنا تو کجا سننا بھی گوارا نہیں کرتے۔ تاکہ ان کی انفرادیت پر "ما ہم چنیں دیگرے نیست" پر کوئی آنچ و حرف نہ آسکے۔ علم و دانش، زہد و عبادت اور امیری و مرفہ الحالی کا تقاضا تو یہ تھا کہ ان کے حاملین عجز و انکساری، محبت و رافت، سخاوت و فیاضی، حلم و مروت اور خدا کی ممنونیت اور شکر گذاری کا جذبہ ہوتا۔ لیکن ہم ان میں اخلاق حمیدہ کے بجائے تفاخر و حسد، رشک، حسد، جاہ پرستی، حب مال، تنسول گری، قساوت قلبی خود غرضی و خدا کی ناشکری زیادہ پلتے ہیں عجیب معاملہ ہے کہ اس دور میں غرور، جاہ پرستی، حب مال اور بغض و حسد جیسے اخلاقی امراض سب سے زیادہ عالموں، دانشوروں، صوفیوں اور خوشحال و مطمئن لوگوں کے طبقے میں پائے جاتے ہیں۔

مقصد براری | پانچواں سبب مقصد براری ہے جس کی وجہ سے لوگ ایک دوسرے سے حسد کرتے ہیں یہ بیماری ہم پیشہ میں زیادہ پائی جاتی ہے چنانچہ ہم آئے دن یہ دیکھتے ہیں کہ ایک شخص خود اپنے حقیقی بھائی سے صرف اس لئے حسد کرتا ہے کہ وہ اپنے والدین کا نور نظر بن جائے۔ طلبہ آپس میں ایک دوسرے سے اس لئے جلتے ہیں تاکہ وہ دوسروں کے مقابلہ میں زیادہ اپنے استاد کا منظور نظر ہو جائے۔

خباثت نفس | خباثت کی وجہ سے آدمی بلا وجہ ہر اس سے جلنے لگتا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے کوئی نعمت عطا فرمائی ہے اس قسم کے لوگ دنیا میں بہت ہیں جن میں نہ جاہ طلبی ہے اور نہ کبر و غرور کا شائبہ اور نہ دشمنی بلکہ وہ اپنی خباثت نفس کی بنا پر اپنے بھائیوں کی پریشانی اور دکھ درد سے خوش اور ان کی خوشیوں سے کبیدہ خاطر و ملول ہوتے ہیں ایسے لوگوں کو شحیح کہا جاتا ہے جس کے معنی ہیں دوسروں کے مال میں بخل کرنیوالا کے ہے کیونکہ یہ لوگ اپنے رب کریم کے خزانوں سے بھی اپنی رذالت طبع و خباثت نفس کی بنا پر اس بات کے خواہشمند رہتے ہیں کہ اس سے حبہ بھر بھی کسی کو نہ ملے۔ اس حسد کا علاج تقریباً ناممکن ہے۔

پروفیسر حافظ سید خالد محمود ترمذی

افریقہ کے ایک عظیم مجاہد

محمد بن علی السنّوسی

برصغیر پاک و ہند کی طرح تاریک براعظم افریقہ میں اسلام کی اشاعت اور احیاء بھی علماء کرام اور صوفیائے عظام کی کوششوں کا مرہون منت ہے۔ لیکن افریقہ کے صوفیائے کرام برصغیر کے صوفیاء کرام سے اس لحاظ سے مختلف و ممتاز نظر آتے ہیں کہ :-

ا۔ وہ سب صاحب طرز مصنف اور جید عالم باعمل تھے۔

ب۔ ان کی اکثریت نے سید احمد شہیدؒ کی طرح مخالفِ اسلام تہذیبوں کے خلاف علم جہاد بلند کیا۔ (جسے ہمارے ہاں عموماً تصوف کے تصور کے خلاف سمجھا جاتا ہے)

ج۔ فقہی مسائل کے روایتی تقلید کے خلاف اور اجتہاد کے زبردست داعی تھے۔ نرے مقلد نہ تھے اسی لئے ان میں سے اکثر اپنے سلسلوں کے بانی گذرے ہیں۔

ان میں محمد بن علی السنوسی سب سے نمایاں اور منفرد مقام رکھتے ہیں۔ ان کے حالات زندگی اور کمالات کا مختصر تذکرہ خالی از فائدہ نہ ہوگا جس کا ذکر علامہ اقبال نے بھی اپنے اس شعر میں کیا ہے ؎

کیا خوب امیر فیصل نے سنّوسی کو پیغام دیا
تو نام و نسب کا حجازی ہے پر دل کا حجازی بن نہ سکا

آپ ۱۷۸۷ء میں الجیریا کے علاقے مستغانم کے ایک گاؤں الوسیطہ کے ایک علمی گھرانے میں پیدا ہوئے آپ کا نسب حضرت حسنؓ ابن حضرت علیؓ سے جا ملتا ہے۔ آپ ادریسی خاندان کے چشم و چراغ تھے جس نے مراکش میں پہلی مسلم سلطنت کی بنیاد ڈالی تھی۔ آپ نے اپنی تصنیف " الدرر السنیۃ فی اخبار السلالۃ الادریسیۃ" میں اس کی مکمل تفصیل دی ہے۔

آپ دو سال کے تھے کہ آپ کے والد ماجد علی السنوسی قضاء الٰہی سے انتقال کر گئے۔ تو آپ کی پرورش اور تعلیم و تربیت آپ کی چچی سیدہ فاطمہ اور ربعم زاد شریف سنّوسی نے ابتدائی تعلیم مستغانم میں ہی حاصل کی۔

جو قرآن و حدیث، مالکی فقہ اور تصوف کی مبتدیات پر مشتمل تھی۔ ۱۸۰۵ء میں جب آپ ۱۰ سال کے ہوئے تو آپ نے اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لئے مراکش کے مشہور شہر فاس کا قصد کیا۔ جہاں شہرۂ آفاق جامعہ قرویین میں آپ نے ۴ سال حصول تعلیم میں صرف کئے۔ فقہ مالکی آپ کا پسندیدہ اور خاص مضمون تھا۔ تعلیم سے فراغت کے بعد آپ جامعہ قرویین میں ہی معلم ہو گئے۔ جلد ہی آپ نے درس و تدریس کو خیر باد کہا اور سیر و سیاحت پر نکل کھڑے ہوئے۔ کچھ عرصہ مستغانم میں بھی گذارا۔

۱۸۲۴ء کے اوائل میں آپ مصر پہنچے اور جامعہ ازہر میں داخل ہو گئے۔ یہاں ایک سال مزید آپ نے فقہ مالکی میں مہارت تامہ اور تخصص کے حصول میں گذارا۔ لیکن یہاں کا صدیوں پرانا اور دقیانوسی طرز تعلیم اور نصاب تعلیم آپ کی جدت پسند طبیعت کو راس نہیں آیا۔ نیز اندھی تقلید کے آپ سخت مخالف تھے۔ اور اجتہاد کے دروازے جو علماء نے ۵ صدیوں سے بند کر دئے تھے کھولنے پر مصر تھے۔ بس یہی خیالات آپ کے اور علماء ازہر کے مابین وجہ نزاع بن گئے۔

علماء ازہر کے مخاصمانہ رویئے کی وجہ سے بالآخر آپ کو مصر چھوڑنا پڑا۔ ۱۸۲۴ء کے آخر میں آپ حج کی غرض سے مکہ وارد ہوئے۔ یہاں مقامی اور اسلامی ممالک کے دیگر علماء سے آپ کو تبادلہ خیالات کے مواقع ملے۔ ان میں سے نامور عالم اور "نوصوفی" احمدیہ ادریسیہ سلسلہ کے بانی حضرت علامہ احمد الفاسی سے آپ بہت متاثر ہوئے۔ ایسے عالم شریعت اور عامل طریقت ہستی کے نیاز حاصل کرنے کے آپ متمنی تھے اور علامہ الفاسی کو اپنے جانشین کی تلاش تھی۔ جو حضرت سنوسی کی صورت میں انہیں مل گیا۔

علامہ الفاسی فاس کے نزدیک ایک گاؤں العرایش میں ۱۷۵۸ء میں پیدا ہوئے اس طرح الفاسی کی عمر اس وقت ۶۶ برس کے لگ بھگ تھی۔ آپ کو اسلامی علوم اور تصوف میں کامل دسترس حاصل تھی کہ "نوتصوف" کے بانیوں میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔ نوتصوف یا نیا تصوف روایتی اور مروجہ تصوف سے اس لحاظ سے مختلف ہے۔ کہ نوصوفی "فنا فی اللہ" پر یقین نہیں رکھتے۔ اور صرف فنا فی الرسول کے قائل ہیں۔ علامہ الفاسی کو بھی احمد تیجانی (سلسلہ تیجانیہ کے بانی نامور نوصوفی) کی طرح یہ دعویٰ تھا کہ جن اوراد و وظائف کی وہ اپنے مریدوں اور شاگردوں کو تلقین کرتے ہیں۔ وہ ایک خواب کے ذریعے حضور صلی اللہ علیہ و سلم نے ان کو بتائے تھے۔

نوتصوف کی ایک اور نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ یہ مروجہ تصوف کے جملہ مشرکانہ اور جاہلانہ قسم کی رسومات اور توہم پرستانہ اعتقادات اور غلط قسم کے تعویذ گنڈے، مزاروں پر جا کر صاحب قبر سے مرادیں مانگنا۔ مزاروں پر سجدے کرنا وغیرہ سے سخت بیزار ہے۔ بلکہ یہ اپنے مزاج میں عبدالوہاب نجدی اور صوفیاء کی دو انتہاؤں کے

کے درمیان توازن اور اعتدال کی راہ ہے۔ اس معتدل رویے کی وجہ سے موصوف علامہ الفاسی کے سلسلہ احمدیہ اور لیبیہ کے نہ صرف بہت سے پیروکار بن گئے بلکہ اس نے نئی سلسلوں کو جنم دیا جن میں سنوسی سلسلہ بہت مشہور ہوا۔ اور افریقہ میں خوب پھیلا۔ سنوسی کو بھی اپنے مرشد کی طرح امام احمد بن حنبل، امام ابن تیمیہ اور امام عبدالوہاب نجدی سے گہری عقیدت تھی۔ اسی لئے مخالفین طنزاً آپ کو وہابی کہتے تھے۔ دوسرے الفاظ میں تو تصوف کی ظاہری شکل وصورت نوم وجہ تصوف سے مشابہ ہے۔ لیکن اس کی روح اور مزاج اس سے بالکل مختلف ہے۔ کیونکہ شریعت کی ہر قدم پر پابندی اس کا اصول ہے۔

علامہ الفاسی اور آپ کے شاگرد رشید سنوسی کے انہی مجددانہ رجحانات کی وجہ سے علماء مکہ ان دونوں حضرات کے مخالف ہوگئے۔ بالآخر دونوں کو مکہ معظمہ چھوڑ کر یمن ہجرت کرنا پڑی۔ یہاں ۱۸۲۲ء میں الفاسی انتقال کر گئے۔ انتقال سے قبل آپ سنوسی کو اپنا جانشین بنا گئے تھے۔ لیکن دو اور طاقتور امیدوار پیدا ہو گئے۔ محمد عثمان المرغانی اور ابراہیم الرشیدی جن کی وجہ سے ادریسیہ سلسلہ ۳ شاخوں میں بٹ گیا۔

حضرت سنوسی کے حامی چونکہ تعداد میں زیادہ تھے اس لئے ایک علیحدہ سلسلہ سنوسیہ کی بنیاد پڑگئی لیکن دوسرے دو سلسلوں مرغانیہ اور رشیدیہ کی مخالفت کی وجہ سے آپ کو ایک بار پھر یمن چھوڑنا پڑا آپ مکہ معظمہ واپس ہجرت کر گئے۔ یہاں آپ نے ۱۸۳۷ء میں جبل قبیس میں پہلے زاویے (ایک طرح کی خانقاہ جو مسجد، مدرسہ، اساتذہ اور شاگردوں کے رہنے کے لئے مکانات پر مشتمل ہوتی تھی) کی بنیاد رکھی لیکن زاویے کی عمارت چھوٹی ہونے کی وجہ سے دن بدن بڑھتے ہوئے شاگردوں کی تعداد کا ساتھ نہ دے سکی۔ اور کچھ مقامی علماء کی مخالفت کی وجہ سے آپ کو دوبارہ مکہ چھوڑنا پڑا۔ مکہ چھوڑ کر آپ واپس وطن پہنچے اور ۱۸۴۲ء میں آپ نے موجودہ لیبیا درنہ اور بن غازی کے درمیان ایک مقام البیضاء کو اپنا مرکز بنایا جہاں تقریباً ۵ سال تک آپ نے تبلیغی اور علمی سرگرمیاں جاری رکھیں۔ یہاں سے آپ نے تبلیغی اور مشنری وفود (جو ایسے شاگردوں پر مشتمل ہوتے تھے جنہوں نے اپنی زندگیاں اسلام کی اشاعت و تبلیغ کے لئے وقف کر رکھی تھیں) برقہ، فزان اور تمام مغربی اور جنوبی لیبیا میں بھیجے۔ جنہوں نے لوگوں کو اسی اسلام کی طرف لوٹنے کی دعوت دی جو تیرہ سو سال قبل حضور صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے تھے جب آپ نے دیکھا کہ یہاں سے اسلام کی دعوت و تبلیغ تسلی بخش طور پر جاری وساری ہوگئی ہے تو البیضاء کا انتظام ایک نائب کے ہاتھ میں دے کر ۱۸۴۶ء میں آپ پھر عازم مکہ ہوئے اور ۱۸۵۳ء تک وہیں مقیم رہے۔

اس سات سالہ قیام مکہ کے دوران آپ کے علمی اور روحانی درجات نے مزید ترقی کی۔ یہاں آپ کو مکہ کی عالی شان لائبریریوں سے استفادہ کا موقع بھی ملا۔ اس موقع کو غنیمت سمجھتے ہوئے آپ نے اپنے

خیالات کو مجتمع کر کے کتابی صورت دینے کی کوشش کی جس کا مرکزی مضمون احیائے اسلام اجتہاد کی ضرورت اور اندھی تقلید کی مذمت تھے۔

آپ کے ایک سوانح نگار احمد صدیق الدجانی نے اپنی تصنیف "حرکۃ السنوسیۃ" میں آپ کی تصانیف کی تعداد ۴۷ بتائی ہے جن میں سے کچھ تو مطبوعہ ہیں۔ ان میں سے دو راقم کی نظر سے بھی گزری ہیں۔ اور باقی مخطوطات کی صورت میں لیبیا کی سابقہ شاہی لائبریری میں محفوظ ہیں۔ جن کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ایک شاعر، ایک جید عالم، ایک ذہین فقیہہ، ایک مستند مورخ اور ماہر انساب تھے۔ ایک کتاب آپ کی علم جفر پر بھی ہے۔ حساب میں بھی آپ کو کافی مہارت حاصل تھی۔
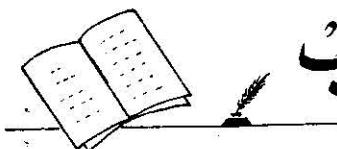
الغرض مکہ میں رہ کر آپ کو اسلامی تعلیمات کو حجاج کے ذریعے دیگر اسلامی ممالک تک پھیلانے اور پہنچانے کا نادر موقع فراہم ہوا۔ مکہ چونکہ عالم اسلام کا مرکز ہے۔ اس لئے اتحاد اسلامی کی دعوت کے لئے یہ موزوں مقام تھا۔ سنوسی تحریک کی روز افزوں توسیع و ترقی اور کامیابی کی وجہ سے علماء مکہ بھی اب آپ کو قدر و منزلت کی نظر سے دیکھنے لگے۔

۱۸۵۳ء میں آپ کے لیبیا کے عقیدت مندوں کے مسلسل اصرار نے آپ کو پھر وطن لوٹنے پر مجبور کر دیا۔ وطن لوٹتے ہی آپ نے اپنے جاں نثاروں کی ایک جماعت کو لیبیا کے مختلف اطراف میں اس غرض سے بھیجا کہ وہ ایک اور موزوں مرکز کی تلاش کریں۔ انہوں نے البیضاء سے سینکڑوں میل دور جنوب مشرق کی طرف ایک مقام جغبوب کا انتخاب کیا۔ یہ مصر اور نخلستان سیوہ کی سرحد پر دو تجارتی شاہراہوں کے سنگم پر واقع ہے۔ جہاں آپ نے ایک عظیم جامعہ کی بنیاد ڈالی جو جلد ہی البیضاء کی نسبت ایک اہم روحانی علمی اور دینی مرکز بن گئی۔ آپ کا ایک مغربی سوانح نگار ایون پرچرڈ اسے دوسری جامعہ ازہر اور آکسفورڈ کے پایہ کی یونیورسٹی قرار دیتا ہے۔ وہ اسے "صحرا کی آکسفورڈ" کے نام سے یاد کرتا ہے۔ جہاں کی لائبریری میں ۸۰۰۰ سے زائد نادر کتب کا ذخیرہ تھا۔ یہاں نہ صرف نادر روزگار اساتذہ شاگردوں کو مروجہ اسلامی علوم کا درس دیتے تھے بلکہ انہیں مختلف قسم کے صنعت و حرفت کے پیشوں کی عملی تربیت بھی دی جاتی زراعت و باغبانی اور سپہ گری کی تعلیم دی جاتی۔ سنوسی بہ نفس نفیس تسبیح بدست ذکر کرتے ہوئے ان میں شامل ہو جاتے۔ اور ان پیشوں کے سیکھنے میں ان کی حوصلہ افزائی فرماتے کیونکہ یہی پیشے ان کی عملی زندگی میں ان کے کام آتے۔

الغرض ایک بھرپور زندگی گذار کر یہ آفتاب رشد و ہدایت بالآخر ۱۸۵۹ء کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے غروب ہو گیا۔ لیکن اپنے پیچھے ایسی شمعیں روشن کر گیا جن کی ضیا پاشیوں سے افریقہ ایک عرصے تک منور رہا۔

عبدالقیوم حقانی

تعارف وتبصرۂ کتب

ماہنامہ النصیحہ | مدیر اعلیٰ مولانا محمد گوہر شاہ ۔ مدیر غلام محمد صادق ۔ صفحات ۷۲ ۔ سالانہ چندہ ۴۰ روپے
پتہ ۔ دارالعلوم اسلامیہ ۔ چارسدہ ۔ پشاور

دارالعلوم اسلامیہ چارسدہ، مولانا محمد گوہر شاہ اور مولانا غلام محمد صادق (فضلائے دارالعلوم حقانیہ) کے زیر اہتمام ان کے شبانہ روز مساعی اور حسنِ تدبیر سے بڑی تیزی سے تعلیم و تدریس، اشاعت و تبلیغ، نظم و ضبط اور تعمیر و ترقی کی راہ پر گامزن ہے۔ اور بہت قلیل مدت میں سرحد کے اہم دینی مدارس میں اپنا مقام پیدا کر لیا ہے۔

اب تبلیغ و اشاعت دین کی غرض سے جناب مدیر الحق مولانا سمیع الحق مدظلہ کے مشورہ سے اپنے شیوخ و اکابر شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ اور مفتی اعظم مولانا محمد فرید مدظلہ کی سرپرستی میں قرآن و سنت کی تعلیمات اور ادارہ کا ترجمان ایک ماہنامہ " النصیحہ " بھی جاری کر دیا ہے۔ نقش اول ہمارے سامنے ہے۔ ۷۲ صفحات میں کتابی سائز کا یہ عمدہ اور گراں قدر علمی و روحانی تحفہ سرحد اور خالص پشتو کے علاقہ چارسدہ سے اس کی اردو اشاعت یقیناً منتظمین کا خلوص اور علوم نبوت کی کرامت ہے۔

مولانا غلام محمد صادق کی ادارتی تحریر، مولانا محمد حسن جان کا مقالہ "تشریعی نظام کی جامعیت"، مولانا مفتی محمد فرید کی تحریر "دین کے ضروری مسائل"، مفتی غلام الرحمٰن کا مضمون "حفاظتِ نفس"، مولانا محمد ابراہیم فانی کا مضمون "سید گل بادشاہ"، ڈاکٹر ابو یحییٰ کا تاریخی مقالہ "دیبل و دیبلان"، احقر کا ایک مضمون "اسلام کا نظام خلافت" اور دیگر مضامین، دلچسپ، ایمان افروز، معیاری اور معلوماتی ہیں۔

ادارہ الحق، علمی حلقوں سے حوصلہ افزائی، دینی ذہن رکھنے والے احباب سے ہر ممکن پذیرائی اور اس کی مزید اشاعت و توسیع کی سفارش کرتا ہے اور النصیحہ کی زیادہ سے زیادہ اشاعت اور روز افزوں ترقی کا متمنی ہے۔ والاتمام من اللہ

(ع ق ح)

رحمت کائنات | تالیف قاضی محمد زاہد الحسینی   صفحات ۳۸۴   قیمت غیر مجلد ۴۰ روپے
مجلد ۴۸ روپے   پتہ ۔ دارالارشاد ۔ مدنی روڈ ۔ اٹک شہر۔

حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم، عقائد اسلامی کے مسلمات سے ہے۔ اہل اسلام کا اس پر اجماع ہے "عقائد علماء دیوبند" میں اس کی تصریح کردی گئی ہے اور علماء حرمین نے اس کی توثیق کی ہے۔ مگر اس کے باوجود بھی بعض لوگوں کو اپنے تعارف کی یہ ترکیب سوجھی کہ عقیدۂ حیات النبی کا انکار کر دیا جائے۔ تو چار دانگ عالم میں شہرت کا ڈنکا بج جائے۔ کچھ سادہ لوح لوگ ان کے دام تزویر میں بھی آئے۔ ایسوں کے پیشرؤوں نے جب یہ چال چلی تو قاسم العلوم والخیرات حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی نے "آب حیات" کے نام سے اس موضوع پر اس زمانہ کی اصطلاح اور علمی زبان میں ایک مستقل کتاب تصنیف فرمائی۔ دور حاضر میں بھی اس موضوع پر چھوٹی بڑی کتابیں لکھی جاتی رہیں۔ مگر زیر تبصرہ کتاب کو اس لحاظ سے انفرادی حیثیت حاصل ہے کہ اس کے پڑھنے والا جہاں متعلقہ مسئلہ کے دلائل میں گھوم پھر کر عقلی طور پر حقیقت مسئلہ کے سمجھنے میں حظ وافر حاصل کرتا ہے۔ وہاں سیرت نبوی کے مختلف گوشے، عشق و محبت، اطاعت رسول، جذبۂ عمل اور خلوص وللہیت کے بہاروں سے بھی لطف اندوز ہوتا ہے۔

لاریب، کتاب اپنے موضوع پر جامع اور مدلل ہے مگر معنوی لحاظ سے اور مضامین کے اعتبار سے بھی اپنے نام "رحمت کائنات" کی طرح ہر لحاظ سے جامع ہے۔ تحریر سلیس، دلچسپ اور تقریباً ہر عنوان میں حلاوت اور وجد ولذت محسوس ہوتی ہے۔ کتابت، کاغذ اور جلد بندی معیاری ہے۔ (ع ق ح)

کتاب زندگی | از منشی عبدالرحمن خان صفحات ۶۰۸ قیمت ۴۵ روپے

پتہ۔ جاوید اکیڈمی۔ چہلک ملتان

منشی عبدالرحمن خان مشہور ادیب، مصنف، صاحب قلم اور کثیر التصانیف علمی شخصیت ہیں۔ زیر تبصرہ کتاب ان کی حیات آموز اور بصیرت افروز سرگزشت ان کے علمی، ادبی، تاریخی، سیاسی، سماجی اور دیدہ و شنیدہ واقعات اور ذاتی تجربات پر مشتمل واقعۃً ایک سبق آموز کتاب زندگی ہے۔

ہر عنوان ایک داستان، ہر ورق ایک سبق، زندگی کے میدان میں بزرگوں کے تجربات سے سبق کے متلاشیوں کے لئے کامیابیوں کا سنگ میل ہے۔ جدید تعلیم یافتہ طبقہ، دینی مدارس اور سکول کالجز کے اساتذہ و طلبہ، دینی ذہن رکھنے والے لکھے پڑھے احباب، دنیوی ترقیوں کے خواہشمند سرکاری ملازم اور سول سروسز سے تعلق رکھنے والے سب کے لئے عبرت و نصیحت کا ایک حسین مرقع۔ بعض سیاسی شخصیتوں کے مدح میں غلو۔ جگہ جگہ تصاویر کے قبائح اور بعض ناشائستہ لطائف مثلاً پشاوری نکاح وغیرہ کے باوجود واقعاتی تجزیئے، بے لاگ تبصرے اور سبق آموز حقائق کے پیش نظر ہم قارئین سے کتاب زندگی کے مطالعہ و استفادہ کی پرزور سفارش کرتے ہیں۔ عمدہ کتابت و طباعت اور مضبوط جلد بندی اور ضخامت کے باوجود قیمت واجبی اور معقول ہے۔

(ع ق ح)

قومی اسمبلی میں قومی و ملّی مسائل

سوالات : مولانا عبدالحق مدظلہ
جوابات : وفاقی وزراء

سرکاری ملازمین کے مکانات کا کرایہ

سوال نمبر ۶۴۴ ۔ مورخہ ۲۰ اگست ۸۵ء

مولانا عبدالحق۔ کیا وزیر مکانات و تعمیرات بیان فرمائیں گے کہ

ا۔ آیا یہ امر واقع ہے کہ حال ہی میں مکانوں کی ضروریات کے لئے کرایہ کی حد اسلام آباد میں وفاقی سرکاری ملازمین کے لئے ۵۰ فی صد اور ملک کے بقیہ ملازمین کے لئے ۳۰ فی صد تک بڑھا دی گئی ہے جب کہ اس سے پیشتر سارے ملک میں یکساں طور پر کرایہ کی حد ادا کر دی جاتی تھی۔

ب۔ کیا یہ امر واقع ہے کہ ۳۰ لاکھ افغان مہاجرین کی آمد کے نتیجے میں نہ صرف مکانوں کے کرایہ میں دگنا اضافہ ہوا ہے۔ بلکہ مکانات کرایہ پر دستیاب نہیں۔

ج۔ اگر ضمن الف اور ب کے جوابات اثبات میں ہوں تو آیا حکومت اس مسئلہ پر دوبارہ غور کرنے کا ارادہ رکھتی ہے۔

سید یوسف رضا گیلانی ۔ ا۔ جہاں تک کرائے پر حاصل کردہ مکانات کا تعلق ہے۔ یہ بات درست نہیں ہے۔ کرایہ کی مد میں اضافے کا اطلاق کرایہ پر حاصل کردہ مکانات پر ہوتا ہے۔

ب۔ یہ بات درست ہو سکتی ہے لیکن وزارت مکانات و تعمیرات کے پاس اس ضمن میں کسی قسم کے اعداد و شمار نہیں جنہیں پیش کیا جا سکے۔

ج۔ اطلاق نہیں ہوتا۔

ورسک لفٹ کینال کی خشکی سے تحصیل نوشہرہ کا نقصان

سوال نمبر ۴۰۶ ۔ مورخہ ۲۰ اگست ۸۵ء

مولانا عبدالحق۔ کیا وزیر پانی بجلی ازراہ کرم بیان فرمائیں گے کہ

ا۔ کیا یہ امر واقع ہے کہ وارسک ڈیم کی ایک نہر جو ورسک لفٹ کینال کہلاتی ہے، تحصیل نوشہرہ ارمڑ اور جلوزئی کے علاقوں میں سے گزرتی ہے

ب۔ کیا یہ بھی درست ہے کہ یہ نہر گذشتہ دس سال سے خشک پڑی ہوئی ہے اگر ایسا ہے تو اس معاملے کے بارے میں کیا کارروائی کئے جانے کی تجویز ہے۔

میر ظفر اللہ خان جمالی۔ ا۔ جی ہاں۔

ب۔ یہ کینال صوبائی محکمہ آب پاشی صوبہ سرحد کی جانب سے چلایا جاتا ہے۔